سلسلۂ مطبوعات اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی

قصص انبیاءؑ کے رموز اور اُن کی حکمتیں

ترجمہ: تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاءؑ

تالیف

حجۃ الاسلام الشاہ ولی اللہ الدہلوی

١١٦٤ھ - ١١٧٦ھ

مترجم

مولانا غلام مصطفےٰ القاسمی

اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی

صدر حیدرآباد (السند) الباکستان الغربیۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

قصصِ انبیاء کے رموز اور اُن کی حکمتیں

ترجمہ: تاویل الاحادیث فی رموزِ قصصِ الانبیاءؑ

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

مترجم

مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی

شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ

بار اول: ۱۹۶۹ء

طابع و ناشر: غلام مصطفیٰ قاسمی

مطبع: کیمبرج پریس - لاہور

قیمت: تین روپیے

فہرست

پیش لفظ

یہ اردو ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی عربی تصنیف "تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء" کا ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کے قصے مذکور ہیں۔ یہ تمام قصے اجمالاً اور تفصیلاً ہر سورہ کے اسلوب کے اقتضا کے موافق مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض قصے تو بہ تکرار بیان ہوئے ہیں۔ اور بعض قصوں کے واقعات فقط ایک یا دو جگہ مذکور ہیں۔ ہمارے مفسرین نے جب قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں تو ان میں سے بعض نے بنی اسرائیل سے مروی روایات کی مدد سے جو ان کے ہاں اُن انبیاء کے متعلق مشہور تھیں، قرآن مجید میں مذکور ان قصص کے بارے میں حکایات و روایات کا ایک طومار جمع کر دیا۔ اور اس طرح یہ بدقسمتی سے "اسرائیلیات" ہمارے علم تفسیر کا ایک حصہ بن گئیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں لکھتے ہیں۔ تفسیر کے ضمن میں اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہے، جو ہمارے دین میں داخل ہو گئی ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے معانی و مطالب کو پانچ علوم میں منقسم کیا ہے۔

---

[1] الفوز الکبیر [2] شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز الکبیر میں تفصیل سے بتایا ہے کہ قرآن مجید کے کون سے قصے بہ تکرار بیان ہوئے ہیں اور انبیاء کے کون سے واقعات ایک یا دو جگہ مذکور ہیں۔

ان میں سے ان کے نزدیک ایک علمِ ایام اللہ ہے۔ جس کا تعلق قصص الانبیاءؑ سے ہے۔ "الفوز الکبیر" میں وہ اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں :- ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو خداوند تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً فرماں برداروں کے لیے انعام اور نافرمانوں کے لیے عذاب۔ ان میں سے ایسی جزئیات کو اختیار فرمایا جو بیشتر ان عربوں کے گوش زد ہو چکی تھیں۔ اور وہ اجمالی طور پر ان کا تذکرہ سن چکے تھے۔ مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ اور انبیاء بنی اسرائیل کے قصص، جن سے کہ عرب یہود کے ساتھ قرن ہا قرن سے اختلاط کی وجہ سے آشنا تھے۔ اس ضمن میں نہ تو غیر مشہور اور غیر مانوس قصوں کو بیان کیا اور نہ فارس کے یہود کی جزا و سزا کے واقعات کی خبریں دیں۔ اور مشہور قصوں میں سے بھی صرف اُن ضروری قصوں کا ذکر فرمایا، جو نصیحت و تذکیر کے لیے کار آمد ہوں۔ اور تمام قصوں کو ان کی جملہ خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں کیا۔

انبیا کے قصص کو قرآن میں اس طرح بیان کرنے کی شاہ صاحب کے نزدیک حکمت و مصلحت یہ ہے کہ عوام الناس جب کوئی عجیب و غریب داستان سنتے ہیں یا کوئی داستان اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ان کے سامنے بیان کی جاتی ہے۔ تو ان کی طبیعت محض اس داستان کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اور تذکیر کا مقصد جو داستان بیان کرنے کی اصل غرض ہوتی ہے فوت ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بعض قصے قرآن مجید میں بہ تکرار بیان ہوئے ہیں۔ اور بعض کا ذکر ایک یا دو جگہ آیا ہے۔ شاہ صاحب "الفوز الکبیر" میں اس کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

"ان تمام قصوں سے یہ مقصود نہیں کہ صرف ان واقعات سے آگاہی حاصل

ہو جائے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے سننے والوں کے ذہن شرک اور معاصی کی برائی کی جانب منتقل ہوں۔ اور وہ کفار پہ عذابِ خداوندی کا اور مخلصین کے خدا تعالیٰ کی عنایت سے مطمئن ہونے کا ادراک کریں

اکثر مفسرین نے ان قصص کی تفسیر میں طویل اسرائیلی روایات کی بھرمار کر کے ان قصص کی جو اصل غرض نصیحت و تذکیر تھی، اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ اور ان قصص نے ایک افسانوی حیثیت سی اختیار کر لی تھی۔ ان کے برعکس شاہ صاحب نے اس کتاب میں قصص الانبیاء کی تفصیل نہیں، رموز بتاتے ہیں اور پھر رموز کی بھی "تاویل" فرمائی ہے۔

اہلِ باطن اور صوفیا کا مسلک

بیشک شاہ صاحب نے اس کتاب میں "قصص الانبیاء" کے "رموز" بیان کیے ہیں۔ لیکن ان سے پہلے ایک عرصۂ دراز سے علومِ باطنی کے مدعی اصحاب اور صوفیا بھی قرآن میں مذکور ان قصص کے "رموز" بیان کرتے چلے آتے ہیں۔ اس ضمن میں وہ جو عجیب و غریب معانی اخذ کرتے اور اپنے مخصوص باطنی مسلکوں کی تائید کے لیے انہیں بطور شواہد پیش کرتے تھے شاہ صاحب اس کتاب میں اُس راہ پر نہیں چلے۔ مثال کے طور پر ہمارے سامنے شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی متوفی ۶۳۸ھ (۱۲۴۰ء) ہیں۔ ان کا تصوف کی علمی و فکری تاریخ اور خود صوفیہ پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہے۔ اور خود شاہ ولی اللہ بھی ان سے بہت متاثر ہیں۔ شیخ ابن عربی نے اپنی مشہور کتاب "فصوص الحکم" میں انبیاء کے قصص ہی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اور ان سے اپنے فلسفہ "وحدت الوجود" کے افکار و خیالات کا استخراج کیا ہے۔ کتاب میں ستائیس فص[1] (فصوص کی واحد) ہیں۔ اور ہر فص ایک

---

[1] فص: قیمتی پتھر جو انگشتری میں لگایا جاتا ہے۔ اسے نگینہ کہتے ہیں۔

نبی سے منسوب ہے۔ چند فصوص کے نام یہ ہیں، کلمہ آدمیہ کا فص حکمتِ الٰہیہ۔ کلمہ ابراہیمیہ کا فص حکمتِ مہیمیہ۔ کلمہ موسویہ کا فص حکمتِ علویہ۔ کلمہ عیسویہ کا فص حکمتِ نبویہ اور آخر میں کلمہ محمدیہ کا فص حکمتِ فردیہ۔

ابن عربی ان فصوص میں سے ہر فص میں وہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی بطور سند کے لاتے ہیں، جو اس نبی سے متعلق ہیں۔ جن سے کہ وہ فص منسوب ہے۔ اس سلسلے میں وہ ہر نبی کا قصہ اُس طرح بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ قرآن میں وارد ہوا ہے۔ اور جیسا کہ مسلمان جمہور بالعموم اسے جانتے ہیں۔ لیکن وہ قصے سے اپنے مطلب کے معانی اخذ کرتے اور اس کی باطنی تعبیر کرتے ہیں۔ ابنِ عربی نے "فصوص الحکم" میں انبیاء کو انسانِ کامل کے مختلف نمونوں اور صورتوں کی شکل میں پیش کیا ہے۔ اور ان کے نزدیک انسانِ کامل ہی اللہ کو اس طرح جانتا ہے، جیسا کہ اسے جاننے کا حق ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہر نبی کی زبان سے اللہ کی معرفت کے اس پہلو کی ترجمانی کرائی ہے، جو اُس نبی کے لیے ان کے خیال میں مخصوص تھی۔ مثال کے طور پر شیخ اکبر کے نزدیک حضرت آدم خلافتِ انسانیہ کے معنی کے ترجمان ہیں۔ یہاں آدم سے ان کی مراد حضرت آدم ابوالبشر نہیں۔ بلکہ پوری جنس بشری ہے۔ یا اسے آپ حقیقتِ انسانیہ کہہ لیجئے۔ ان کے نزدیک اسی حقیقتِ انسانیہ میں کمالاتِ الٰہی اپنی عظیم ترین صورت میں تجلی افروز ہوتے ہیں۔ فصِ آدم میں ابنِ عربی بتاتے ہیں کہ آدم ہی وہ الٰہی صورت ہے جو تمام حقائق وجودیہ جامع ہے۔ اس کے بعد کی فص شیث ہے۔ ان کے نزدیک (حضرت) شیث میں حق کی ایک اور تجلی ہوئی۔ اور وہ تجلی وہ ہے، جو ہر موجود کو وجود بخشتی ہے۔ فصِ نوح میں حکمتِ سبوحیہ بیان کی گئی ہے۔ اور اس فص کا محور ہے تشبیہ و تنزیہہ جو کہ حقیقتِ الٰہیہ کے دو رُخ ہیں۔

اور حقیقتِ کلیہ یہی وجود ہے۔ فصِ ابراہیمی میں حکمتِ مہیمیہ پیش کی گئی ہے۔ ہیام اور ہیمان سے مراد افراطِ عشق ہے۔ ابنِ عربی کے نزدیک یہ ابراہیم ایک خاص نبی نہیں۔ بلکہ یہ ایک رمز ہیں انسانِ کامل کی نوع کی۔ اور انسان کامل وہ ہے جس میں تمام اسماء و صفاتِ الٰہی پوری طرح تجلی فگن ہوتی ہیں۔ ساتویں فصِ اسماعیلی ہے اور اس میں بقول ابنِ عربی حق اور خلق یا واحد اور کثرت کے باہمی تعلق کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ایوب کو جن تکلیفوں سے گزرنا پڑا وہ جسمانی نہ تھیں بلکہ وہ ان کی جدوجہد تھی معرفتِ حق تک پہنچنے کے لیے۔ مجاہدات کے خلاف۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان میں خلافتِ ظاہری اور خلافتِ باطنی بہ وجہ متمثل ہوئیں۔

غرض شیخ اکبر تاویل کے اپنے خاص طریقے سے انبیاء کے قصص کے ضمن میں ان سے متعلق آیات و احادیث سے حسبِ مُراد معانی کا استخراج کرتے ہیں۔ اگر آیت و حدیث سے ظاہری طور پر ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہو۔ خواہ الفاظ تشبیہ و تجسیم پر ہی دلالت کریں، تو اسے اختیار کر لیتے ہیں۔ ورنہ وہ اُن کی تاویل کرتے ہیں۔ اور ان کے ظاہری معنی نہیں لیتے۔ لیکن ان کا یہ طریقہ تاویل کسی حد میں نہیں رہتا۔ وہ جس لفظ سے جو معنی چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ مثلاً حضرت ایوب کے ذکر میں قرآن میں آیا ہے: اِنِّی مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ وہ یہاں شیطان کے معنی معرفتِ حق سے دُوری کے کرتے ہیں۔ یہ ہے باطن کی وہ زبان جس میں شیخ اکبر نے قصص الانبیاء کے رموز بیان کیے ہیں۔ گو اِس کتاب میں "رموز قصص الانبیاء" بیان کرتے وقت شاہ صاحب کے سامنے یہ سب کچھ تھا۔ لیکن باوجود صوفی ہونے اور احوالِ باطنی سے غیر معمولی شغف رکھنے نیز شیخ اکبر ابن عربی کے عقیدت مند اور ان سے متاثر ہونے کے، فصوص کے رموز و حِکم

کے بیان میں وہ واقعیت اور حقیقت سے دور نہیں گئے۔ اور انہوں نے الفاظ سے وہی مفہوم لیا، جس کے وہ الفاظ متحمل ہو سکتے تھے۔ شاہ صاحب کے فکر کی ثبات اور علمی گہرائی کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور اس سے ان کے فکر کی حقیقت پسندی کا ثبوت ملتا ہے۔ شاہ صاحب میں ایک طرف تاریخیت ہے۔ یعنی وہ شیخ ابن عربی کی طرح تاریخ کے ان ٹھوس حقائق کو محض باطنی رموز بنا کر پیش نہیں کرتے۔ دوسری طرف ان میں باطنی معرفت ہے کہ وہ ان حقائق کے باطن میں جاتے ہیں۔ اور اُن سے رموز اخذ کرتے ہیں۔ غرض اُن کی ذات میں عالم اور صوفی دونوں جمع ہیں۔ اور یہی چیز انہیں ان امور میں شیخ اکبر ابن عربی سے ممتاز کرتی ہے۔

اس ضمن میں "الفوز الکبیر" سے ہم یہاں ایک اقتباس دیتے ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ مفسرین کی مختلف جماعتیں ہیں۔ ایک نے آثار و روایات کو مطمح نظر بنایا۔ یہ محدثین تھے۔ ایک نے اسماء و صفات کی آیات کی تاویل کی۔ یہ تنزیہہ حق جل و علا کی خاطر الفاظ کے ظاہری معنی نہیں لیتے۔ یہ متکلمین تھے۔ فقہائے نے مسائل فقیہہ کے استنباط کو مرکز توجہ بنایا۔ نحویین اور اہلِ لغت نے قرآن کی لغات کی تشریح کی۔ ادباء نے قرآن سے علم معانی اور علم بیان کے نکات نکالے۔ اور قاریوں نے قرآن کی قراتوں کی مسلسل روایات کو بیان کیا۔ کچھ لوگ علم سلوک یا علم حقائق کے نکات کو جن کی کہ الفاظ سے ادنیٰ سی مناسبت ہوتی ہے، بیان کرتے ہیں۔ یہ صوفیوں کا طریقہ ہے۔

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں تفسیر القرآن پر جو بکثرت کتابیں لکھی گئیں تو اس کی وجہ شاہ صاحب کے نزدیک یہ تھی کہ ہر مسلمان قرآن کو سمجھنا چاہتا ہے۔ اور اپنی علمی استعداد اور رجحان کے مطابق وہ اس سے معانی اخذ کرتا اور انہیں پیش کرتا ہے۔

اس طرح فنِ تفسیر
نے بے پایاں وسعت حاصل کر لی۔ اور اس میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ
ان کا شمار ممکن نہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ مفسرین کے ایک گروہ نے اس
امر کی کوشش کی کہ وہ ان تمام علوم کو اپنی کتابوں میں لکھا کریں پھر اس ضمن میں وہ اپنا
ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

"اس فقیر کو الحمد للہ ان تمام فنون میں خاص مناسبت حاصل ہے۔
اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور ایک معقول تعداد اس کے فروع
کی معلوم ہے۔ اور اس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذہب کے قریب
قریب تحقیق و استقلال حاصل ہو گیا۔ اس کے علاوہ فنون تفسیر
کے دو تین اور فن بھی فیض الٰہی کے نامتناہی دریا سے القا ہوئے
ہیں۔ اگر سچ پوچھتا ہے تو میں قرآن مجید کا بلا واسطہ الیسا ہی شاگرد
ہوں جیسا کہ روح پر فتوح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا
اویسی[1] ہوں۔"

فنونِ تفسیر کے دو تین اور فن جن کا شاہ صاحب کے ارشاد کے مطابق انہیں فیضِ
الٰہی سے القا ہوا ان میں سے ایک فن کا ماحصل کتاب "تاویل الاحادیث فی رموز
قصص الانبیاء" ہے جس کا یہ اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

---

[1] بغیر کسی واسطہ کے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسبِ فیض کرنا تصوف
میں طریقۂ اویسی کہلاتا ہے۔

اس بارے میں شاہ صاحب "الفوز الکبیر" میں فرماتے ہیں :۔

"علم تفسیر کے ان وہبی علوم میں سے جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا، انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی تاویل بھی ہے۔ فقیر نے اس فن کا ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے تالیف کیا ہے۔ اور تاویل سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جس زمانہ میں جو تدبیر چاہی ہے، اس کی رو سے ہر ایسے قصے کے لئے جو اس وقت واقع ہوا ہے ایک مبدا پیغمبر اور اس کی قوم کی استعداد سے ہوتا ہے[1]۔ اور گویا انہیں معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔" وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۔

اس مضمون کی اصل فارسی عبارت یہ ہے :۔

"از علوم وہبیہ در علم تفسیر کہ باٰں اشارت کردیم تاویل قصص انبیاء است علیہم السلام و فقیر برائے ایں فن رسالہ تالیف کردہ است مسماۃ بتاویل الاحادیث۔ و مراد از تاویل آنست کہ ہر قصۂ کہ واقع شد آنرا مبدأ می باشد۔ از استعداد پیغمبر و قوم او از تدبیرے کہ خدائے تعالیٰ دراں وقت خواستہ است۔ و گویا بر ہمیں معنی اشارہ رفتہ است در آیت "وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ"

تاویل الاحادیث میں تاویل سے کیا مراد ہے

القاموس میں ہے :۔ تاویل اور تفسیر دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے۔ جمع الجوامع میں ہے :۔ ظاہر کلام کو غالب احتمال پر محمول کرنا تاویل ہے۔ امام راغب اصفہانی مفردات القرآن میں اس کی تشریح یوں کرتے ہیں :۔ "اَلتَّاوِيْلُ رَدُّ الشَّيْءِ

[1] کتاب الفوز الکبیر اصل فارسی میں ہے۔ یہاں اس کے اقتباسات :۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

اِلَی الْغَایَۃِ الْمُرَادَۃِ مِنْہُ قَوْلًا وَ فِعْلًا

(تاویل کے معنی کسی شے کو اس غایت کی طرف لوٹانے کے ہیں جو اس سے مقصود ہو خواہ قول میں خواہ عمل میں)

ابن الکمال اس ضمن میں آیت : "یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ" کی مثال دیتے ہیں۔ اگر اس سے انڈے میں سے بچے کا نکلنا مراد لیا جائے تو یہ تاویل ہے۔ اسی طرح اگر اس سے کافر کا مومن اور جاہل کا عالم ہونا مراد لیا جائے تو یہ بھی تاویل ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے "تاویل" اور "تاویل الاحادیث" کی ترجمان القرآن میں یہ تشریح کی ہے۔ سورہ یونس کی تفسیر میں وَلَمَّا یَأْتِهِمْ تَأْوِیْلُہٗ کے تحت لکھا ہے :۔

"عربی میں تاویل کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مآل کے ہیں۔ اور چونکہ الفاظ کے معانی بھی اُن کی دلالت کا مآل و مصداق ہوتے ہیں۔ اس لئے مطالب و معانی پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا لیکن قرآن نے یہ لفظ ہر جگہ لغوی معنی میں استعمال کیا ہے"۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ بعد میں یہ لفظ بطور ایک اصطلاح کے استعمال ہونے لگا۔

سورہ یوسف میں آیا ہے :۔ وَکَذٰلِکَ یَجْتَبِیْکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنْ تَأْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ :۔ اس بارے میں مولانا آزاد فرماتے ہیں : "حضرت یوسف کے حالات میں جابجا "تاویل الاحادیث" کا لفظ آیا ہے۔ اور اس طرح آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک علم تھا جو اللہ نے انہیں سکھا دیا تھا پس معلوم ہونا چاہیئے کہ اس علم سے

بقیہ صفحہ گذشتہ :۔ اردو ترجمے سے دیئے گئے ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی رشید احمد انصاری مرحوم کا ہے۔ اور اسے مکتبہ برہان دہلی نے شائع کیا ہے۔

مقصود کون سا علم ہے" ہے۔ اس کے بعد اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔ "....
پس تاویل الاحادیث کا مطلب یہ ہوا کہ باتوں کا مطلب نتیجہ اور مآل بوجھ لینے کا علم یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہو جانا کہ ہر بات اور مآل کا شناسا ہو جائے۔ معاملات کی تہ تک پہنچ جانا، امور و مہمات کے بھیدوں کا رمز شناس ہو جانا، ہر بات کی نبض پہچان لینی ہر واقعہ کا مطلب پالینا۔ کوئی بات کتنی ہی الجھی ہوئی کیوں نہ ہو، لیکن اس طرح سلجھا لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے"

شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ترجمۃ القرآن میں سورۂ یوسف کی آیت "وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ" کے "فائدہ" میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے تاویل الاحادیث کی شرح یوں فرمائی ہے "مثلاً تعبیر رؤیا یعنی خواب سن کر اس کے اجزا کو ذہانت و فراست سے ٹھکانے پر لگا دینا۔ یا ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا اور معاملات کے عواقب و نتائج کو فوراً پرکھ لینا۔ یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات، اقوام و امم کے قصص اور کتب منزلہ کے مضامین کی تہ تک پہنچ جانا۔ یہ سب چیزیں "تاویل الاحادیث" کے تحت میں مندرج ہو سکتی ہیں۔"

مولانا عبید اللہ سندھی کی تفسیر القرآن کی "آمالی" میں جنہیں مولانا نے علامہ موسیٰ جار اللہ مرحوم کو مکہ معظمہ میں املا کرایا تھا، اس بارے میں یہ آیا ہے۔ "قَصَصُ الْأَنْبِيَاءِ وَتَعْبِيرُهَا عَنْ تَدْبِيرِ الْإِلٰهِيِّ ثُمَّ إِتْيَانُ مِثْلِ ذٰلِكَ الَّذِي يَبْرُزُ بِسِيرَةِ النَّبِيِّ هُوَ تَأْوِيلُ الْأَحَادِيثِ لِلْأَنْبِيَاءِ وَتَفْصِيلُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ لِلْإِمَامِ وَلِيِّ اللّٰهِ"
(قصص الانبیاء میں جو تدبیر الٰہی کار فرما تھی، اس کی تعبیر پھر اسی کی مثل تدبیر کا سیرۃ النبی میں بروئے کار آنا، یہ ہے (قصصِ) انبیاء کی تاویل احادیث۔ اس کی تفصیل امام

ولی اللہ کی کتاب تاویل الاحادیث میں ہے)

کتاب کے مطالب کا اجمالی بیان

شروع کتاب میں ہے کہ اللہ نے انبیاء کو صاف و روشن امر (صفو الامر) اور رشد و ہدایت (رشاد) کے ساتھ مبعوث کیا، نیز ان کے سینوں میں اپنی ذات و صفات کے معارف اور تخلیق و ایجاد کے اسرار رکھے۔ ان پر اپنی قدرت سے نادر وقائع ظاہر کیے۔ کتنے معجزے تھے کہ ظاہر ہوئے تاکہ جسے اپنی بدبختی سے ہلاک ہونا ہے، وہ واضح دلیل سے ہلاک ہو۔ اور جسے اپنی سعادت مندی سے زندگی پانا ہے، وہ واضح دلیل سے زندگی پائے۔

اس تمہید کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔ انسان پر انسان کی زبان میں اللہ تعالیٰ جو علم نازل کرتا ہے تو علم کا یہ نزول اللہ کے مرتبہ ذات سے تدلی اور تجلی کی صورت میں انسانوں کی طرف ہوتا ہے۔ اسے یوں سمجھنا کہ یہ محض ایک پیرایۂ بیان ہے جس میں کہ مجاز و کنایہ سے کام لیا گیا ہے، صحیح نہیں۔

اللہ کی ذات کا کسی چیز پر اس طرح تجلی فرمانا کہ وہ تجلی خود ذات الٰہی کی قائم مقامی کرے، اسے شاہ صاحب تدلی کہتے ہیں۔ اور یہ ان کی حکمت کا ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ اس کی تشریح مولانا عبید اللہ سندھی یوں کرتے ہیں:۔ واجب الوجود جو ہر نسبت سے منزہ اور تجرد کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر ہے، ایک انسان اس سے کیسے ہمکلام ہو سکتا ہے۔ اور اس کی بات سن سکتا ہے۔ اور نبوت کا تو مطلب ہی

یہ ہے کہ نبیؐ نے اللہ کی بات سُنی۔ شاہ صاحب اس مسئلے کو تجلّی کے ذریعے سمجھاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ واجب الوجود کی تجلّی جس مظہر پر عکس ریز ہوتی ہے، وہ مظہر اس تجلّی کے رنگ میں اس طرح رنگا جاتا ہے کہ یہ تجلّی من وجہٍ واجب الوجود ہی کا عین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس مظہر کے واسطے سے جب ہم تجلّی سے تعلق قائم کرتے ہیں تو ہمارا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ ہم خود تجلّی فرما ذات یعنی اللہ تک پہنچے۔ واجب الوجود کی اس تجلّی کو ہماری عقل اور ہمارے حواسِ باطنہ کا لبطن ادراک کر سکتا ہے۔ اس حالت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو دیکھا۔ یا اس کی بات سنی۔

شاہ صاحب کی بنیادی حکمت کو سمجھنے کے لئے دو باتوں کا جاننا اور ضروری ہے ایک یہ کہ اُن کے ہاں اس عالم مادی سے ماورا ایک عالم مثال ہے جو اس عالم مادی میں اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ اور اس میں عالم مادی کی تمام چیزیں غیر مادی اشکال و صُوَر میں پائی جاتی ہیں۔ اس عالم مثال سے ماورا دوسرے روحانی عالم ہیں جنہیں مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ عالم مثال گویا عالم مادی اور عالم روحانی کی بیچ کی کڑی ہے۔ دوسری بات یہ کہ شاہ صاحب اُس زمانے کے عام اہلِ علم کی طرح یونانیوں کی تقلید میں یہ مانتے تھے کہ افلاک و ستارے اس دنیا کے حالات و واقعات پر اچھے اور بُرے اثرات ڈالتے ہیں۔ اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے، اس میں اور اسباب کے علاوہ افلاک و کواکب کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اور اُن کا مؤثر ہونا ایک امرِ طبیعی ہے۔

یہاں یہ بھی ذکر کر دیا جائے کہ شاہ صاحب عام طور پر اس عالم مادی میں رونما ہونے والے ہر خارقِ عادت واقعہ کی تشریح مادی طبائع و اسباب کے ذریعے کرتے ہیں لیکن انہیں جہاں اس کا امکان نظر نہ آئے تو وہ اس واقعہ کے بواعث و محرکات

عالمِ مثال کی قوتوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ عالمِ مثال اسی طرح حقیقی ہے۔ جیسے کہ عالمِ مادی۔

سب سے پہلے مقدمہ کتاب میں شاہ ولی اللہ صاحب اس امر کا اثبات کرتے ہیں کہ دنیا میں جو خوارقِ عادت واقعات رونما ہوتے ہیں تو ان کے بھی اپنے طبیعی اسباب ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ اسباب نادر الوجود ہوا کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں "اللہ تعالیٰ جب کسی تدبیر کے سلسلہ میں خرقِ عادت کا اظہار کرتا ہے۔ تو یہ خرقِ عادت کسی نہ کسی عادت ہی کے ضمن میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ خواہ وہ عادت ضعیف ہی ہو۔ (اس کی ایک مثال دینے کے بعد فرماتے ہیں)۔ پس خوارقِ عادت کے ضعیف اسباب ہوتے ہیں۔ اور یہ خوارق گویا اللہ تعالےٰ کی قضا کے نفاذ ہی کے لئے وجود میں آتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اسبابِ ارضی کا جو اہتمام کیا جاتا ہے تو وہ اس لئے کہ خرقِ عادت عام نہ ہو جائے۔۔۔۔" یعنی سبب اور مسبّب اور علّت و معلول کے نظامِ طبیعی کا ہونا خود حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے۔

اس کے بعد شاہ لکھتے ہیں: "انشا اللہ تعالیٰ ہم ہر حادثے کے بارے میں، اس کی تعبیر اس کے شبح و قالب کی وجہِ خصوصیت اور ہر خرقِ عادت میں اس کے ضعیف اسباب کی طرف اشارہ کریں گے پس تم ہمارے اشارات کا انتظار کرو اور ہمارے ہر قصے کے ذکر کرنے کے ضمن میں ان اشارات کی تاک میں رہو۔"

آدم و ابلیس علیہما السّلام — آدم کی تخلیق کا مقصد ایک ایسی نوع کو وجود میں لانا تھا جس میں ارتفاقات اور اخلاق کاملہ کا ملکہ ہو۔ اس میں ملکیت اور بہیمیت دونوں جمع ہوں۔ اور یہ نوع اس دنیا میں اللہ کی خلیفہ بنے۔

ارتفاقات سے مراد اجتماعی ادارے ہیں جنہیں انسان زندگی گزارنے کے لئے تشکیل
کرتے ہیں۔

شروع میں حضرت آدم کے ساتھ اہل جنت کا سلوک کیا گیا۔
کیونکہ اس وقت تک اُن کی جبلت کے احکام ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ ان میں شہوانی طبیعت
تو موجود تھی ہی۔ اسی کا تخیلی بروز حضرت حوا تھیں۔ حضرت آدم نے یہ گمان کیا کہ انہیں جو
خُلد یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا الہام کیا گیا ہے تو اس کا مطلب ان کا جنت میں رہنا ہے۔
حالانکہ دراصل انہیں دنیا میں اللہ کا خلیفہ بنانا مقصود تھا۔ ان کے ساتھ جو درخت کا پھل
کھانے کا واقعہ پیش آیا۔ اور وہ جنت سے نکالے گئے تو شاہ صاحب اس کی تاویل یہ کرتے
ہیں :۔ یہ تقریب تھی اللہ کا ازل میں جو ارادہ تھا اس کے پورا ہونے کی۔

چنانچہ آدم میں طبیعی احکام کا ظہور ہوا۔ عناصر اور اخلاط کا نظام ان پر غالب آیا۔ اور اُن
سے جنتیں زائل ہو گئیں۔ عنایت ملکی اُن سے پوشیدہ ہو گئی۔ اور عنایت طبیعی کا ظہور ہوا۔
شاہ صاحب کے نزدیک ہبوط آدم کی یہ تاویل ہے۔

فرشتوں کو جو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو شاہ صاحب کے نزدیک فرشتوں
کی ایک نوع عنصری ہے جو اللہ کے الہام کے مطابق عناصر میں کام کرتے ہیں۔ انہوں نے
تو آدم کو بنفسہ خود سجدہ کیا۔ گویا اس کے معنی یہ تھے کہ وہ آدم کی مرضی و اختیار کے تابع ہوں
گے۔ اسے شاہ صاحب یوں بیان فرماتے ہیں "فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا ایک دقیق راز کا حامل
ہے۔ وہ یہ کہ جو فرشتے بنی آدم کا کام کرتے ہیں تو وہ اس طرح بے شک اللہ تعالےٰ کی عبادت
کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔" اور ایک نوع جو ملأ اعلیٰ کے ملائکہ کی ہے۔ انہوں نے خود
نہیں بلکہ ان کے اشباح نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا۔"

حضرت آدم جس جنت میں رکھے گئے وہ ارضی تھی یا سماوی، شاہ صاحب نے اس کی صراحت نہیں کی لیکن مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے ہے کہ وہ جنت ارضی تھی۔[1] اور اس رائے میں وہ منفرد نہیں تھے یہ قول ابی بن کعب، عبد اللہ بن عباس، وہب بن منبہ، سفیان بن عیینہ سے مروی ہے ۔۔۔۔۔ قاضی منذر بن سعید البلوطی نے اپنی تفسیر میں اسے ذکر کیا ہے۔ اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، اور اس قول کو امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابو عبد اللہ محمد بن عمر رازی نے اپنی تفسیر میں ابو القاسم بلخی اور ابو مسلم اصفہانی سے اسے روایت کیا ہے۔ القرطبی نے اپنی تفسیر میں معتزلہ اور قدریہ سے اس قول کو نقل کیا ہے۔ ابن حزم نے الملل والنحل میں لکھا ہے کہ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔[2] قرآن میں (اعراف ۱۷۲) آیا ہے کہ اللہ نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا۔ اور ان کی جانوں پر ان سے (اس طرح) اقرار کرایا۔

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ

(کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب۔ بولے ہاں ہے، ہم اقرار کرتے ہیں۔ کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی) شاہ صاحب اس کی تاویل یہ کرتے ہیں۔ یہ جواب فطرت کی زبان سے دیا گیا تھا۔ اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ رب کو ماننا انسانوں کی فطرت میں داخل ہے۔ چنانچہ ان کا مواخذہ اسی بنا پر ہوگا کہ انہوں نے خود اپنی فطرت کی خلاف ورزی کی۔

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر الہام الرحمٰن۔ ج ۱ ص ۹۳

[2] قصص الانبیاء تالیف عبد الوہاب النجار مصری ص ۹ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے البدایۃ والنہایہ ابن کثیر ج ۱ ص ۷۵

حضرت ادریسؑ کے متعلق شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ پہلے تو انہیں حضرت آدم کی طرح صرف وہبی اور جبلّی علوم تک دسترس تھی۔ پھر وہ ترقی کر کے طبیعی، الٰہیاتی، ستاروں، طب اور ارتفاقات کے علوم کی طرف آئے۔ اور یہ اس لئے کہ وہ بلا تھد اور وہم وخیال سے کام لینے والے تھے۔ اُن سے بہت سے علوم کا ظہور ہوا۔ اِن علوم کو برکت دی گئی۔ پس مجوسی اور حنیفی ملّت وجود میں آئی۔ اور طب، دعوت وارشاد اور ستاروں کے علوم مرتب ہوئے۔ اور اُس وقت یہ سب علوم برحق تھے لیکن آج ان میں حق کے ساتھ باطل اور ثابت واصل کے ساتھ تحریف شدہ ملا ہوا ہے۔

نوح علیہ السّلام اور اُن کے متبعین

حضرت نوحؑ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے اس کی اکثریت کی قوت حیوانیہ بڑی زور آور تھی۔ اس لئے ان کے لئے جو شریعت وجود میں آئی، وہ قوتِ حیوانیہ پر غالب آکر انسانیت کو بیدار کرنے والی تھی۔ جب حضرت نوحؑ کی قوم فسق وفجور میں حد سے بڑھ گئی تو ملاّ اعلیٰ میں اس کے خلاف غضب انعقاد پذیر ہوا۔ اور اُس نے عذاب کی شکل اختیار کر لی۔ شاہ صاحب اس واقعہ کی تاویل یوں کرتے ہیں:۔

۔۔۔۔۔۔ پھر اللہ نے اپنا کام پورا کیا۔ اور تدبیر الٰہی جو کہ گویا قضا کے واقعات میں سے ایک ایسے واقعہ کی منتظر تھی، جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ انہیں عذاب دے۔ آخر سماوی وارضی اسباب پانی کا ایک عام طوفان لانے پر جمع ہو گئے تو اُس وقت اللہ نے اپنا فیصلہ جاری فرمایا۔

اس کے بعد شاہ صاحب اس طبیعی اصول کا اثبات کرتے ہیں:۔

کوئی بھی عظیم واقعہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب بہت سی عنایات اس کا تقاضا کرتی ہیں جیسے طبائع ارضی کی عنایت، احکام فلکی کی عنایت، صور الٰہیہ کی عنایت اور لوگوں پر مقرر کی ہوئی شرائع کی عنایت۔ جس کو علم کا مختصر حصہ حاصل ہوتا ہے، تو وہ ان عنایات میں سے صرف ایک عنایت کو دیکھتا ہے۔ اور باقی عنایات کو بھول جاتا ہے...... علم کامل اور پوری معرفت ان سب عنایات کو جمع کر لیتی ہے۔

ہود اور صالح علیہما السلام قوم عاد کی طرف جو جنوبی عرب میں رہتی تھی حضرت ہود اور قوم ثمود کی طرف جس کا مسکن شمالی عرب تھا، حضرت صالح بھیجے گئے تھے ان دونوں قوموں پر اُن کے کفر اور فسق کی وجہ سے اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ قوم عاد کا مسکن ریت کے ٹیلے اور صحرا تھا۔ ان کے ملک کی آب و ہوا گرم خشک تھی۔ اس لئے ان کے لئے ہوائی طوفان کی قسم کا عذاب آنا زیادہ متوقع تھا۔ چنانچہ ایک زمانے تک وہاں بارش نہ ہوئی۔ اور اُن کے چارپائے بھوک اور پیاس سے مرنے لگے۔ ایک دن انہوں نے بادل گھر کر آتے دیکھے۔ وہ سمجھے کہ یہ برسیں گے، حالانکہ وہ اللہ کا عذاب تھا۔ ان بادلوں نے تند و تیز ہوائی طوفان کی شکل اختیار کر لی۔

ثمود پہاڑوں اور غاروں میں رہتی تھی۔ اس کے حق میں عذاب زلزلے اور سخت آواز ہی کی شکل میں آسکتا تھا۔ ثمود نے حضرت صالح کی اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس کے بعد اس پر عذاب آیا۔ اس کی تاویل شاہ صاحب یہ کرتے ہیں:۔ "اُس قوم کا شر حضرت صالحؑ کی بد دعا سے ایک اونٹنی کی شکل میں نمودار ہوا۔ جب انہوں نے اس اونٹنی کو قتل کیا تو شر پھیل کر طوفان کی صورت اختیار کر گیا"۔ اِسی سلسلے میں شاہ صاحب یہ

بھی لکھتے ہیں۔ کہ شر عالم ملکوت میں حیوان کی شکل میں متمثل ہوتا ہے۔

ابراھیم علیہ السّلام

افرادِ انسانی میں مختلف قسم کی جبلّی استعدادیں ہوتی ہیں۔ ان کا ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:

ایک گروہ وہ ہے جو فطرت کا امام ہوتا ہے۔ وہ عبادت جیسے کاموں کی طرف ٹوٹ پڑتا ہے۔ کیونکہ اسے اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے سے کوئی رسم ورواج یا دوسری کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ وہ کسی کی تقلید یا کسی سے روایت کئے بغیر عبادات کے اعمال کو بجالاتا ہے۔ اور ان کے احوال کو قبول کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اس کی اتم اور اکمل مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جوان ہوئے۔ تو اللہ نے انہیں حکمت عطا فرمائی۔ اور ان پر اُن کی فطرت آشکارا ہوئی۔ اس کے بعد آپ کو وہ واقعہ پیش آیا جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ یعنی آپ نے ستارہ، چاند اور سورج کو غروب ہوتے دیکھا۔ اور اس سے اچھی طرح سمجھ گئے کہ جس پروردگار نے ان کو پیدا کیا ہے، وہی آپ کی تربیت کرتا اور راہِ حق دکھاتا ہے۔ وہ جسمانی احکام سے مبرّا اور انسانی عوارض سے بلند ہے۔ اس کے بعد آپ پر ایک عظیم کیفیت طاری ہوئی اور حق منکشف ہوا۔

حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ اللہ آپ کی بقا چاہتا تھا چنانچہ اس نے آگ پر ایک دم ہوا کے ذریعے ٹھنڈی ہیئت ڈال دی۔ یہ سرد ہوا طبقہ زمہریر سے آئی تھی۔

شاہ صاحب کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اپنی فطرت کے ذریعے اللہ کی طرف خالص طور پر متوجہ ہوئے۔ اور ملأ اعلیٰ سے براہِ راست ان کا ربط پیدا ہوا۔ اس

بنا پر نجومیت، مجوسیت اور شرک باطل قرار پائے۔ اس کی مزید تشریح وہ یوں کرتے ہیں:۔

اس سے پہلے دنیا کے حوادث سماوی قوتوں اور عناصر سے براہِ راست صادر ہوتے تھے۔ اسی لئے ادریس ؑ نے اس دور سے مناسبت رکھنے والے علوم پر گفت گو کی۔ اس سے خرابیاں پیدا ہوئیں۔ ملتوں میں اختلاف رونما ہوا مجوسیت میں تحقیق ختم ہو گئی۔ اور نجوم کی وجہ سے شرک بڑھ گیا۔ اس پر ملأ اعلیٰ میں جو حظیرۃ القدس کے مقدس ملائکہ ہیں، ایک گونہ جوش پیدا ہوا۔ بات یہ ہے کہ اللہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو ملأ اعلیٰ میں اس ارادے کا نزول ہوتا ہے۔ اور ملأ اعلیٰ کے علوم ایسے انسانوں کے دلوں پر ٹپکتے ہیں، جن کی ملائکہ کے ساتھ قوی مناسبت ہوتی ہے۔ ۔۔۔ نیز یہ کہ لوگوں کی ہدایت کا ارادہ، حق کے مخالف لوگوں سے نفرت اور ان پر لعنت کرنا اور انسانوں کے لئے شرائع مقرر کرنا ان سب کا فیصلہ ملأ اعلیٰ میں ہوتا ہے۔

آخر میں شاہ صاحب اس بحث کا خلاصہ یوں بیان فرماتے ہیں:۔

"اسی لئے منشائے الٰہی کو بروئے کار لانے کے لئے ملأ اعلیٰ کے توسط سے انبیاء علیہم السلام پر یہی علوم نازل ہوتے ہیں۔ یہ علوم ان کی زبان میں ہوتے ہیں اور ان کی عقول اور سمجھ کے مطابق ہوتے ہیں۔"

لوط علیہ السلام

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کے گروہ میں سے تھے۔ ان کی قوم پر بے حیائی اور نفس پر ستی نے غلبہ پا لیا۔ انہوں نے ملک میں فساد ڈال رکھا تھا۔ اور وہ جسمانی لذتوں کے حصول میں بہائم سے جا ملے تھے۔ اُن کی ان بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کا ان پر عذاب نازل ہوا۔ یہ عذاب زمین کا سخت زلزلہ تھا اور بارش، جھکڑ اور اولے مل کر کنکر اور پتھر بن گئے تھے۔

اس کے بعد شاہ صاحب یہ قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں :۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ سارے عذاب جو فضائی کائنات کی طرف سے آتے ہیں ، معرضِ وجود میں نہیں آ سکتے ، جب تک ستاروں کا وحشت پیدا در اتصال نہ ہو ۔ آسمان سے بارش برسانیدنہ ہو۔ آسمان و زمین دونوں میں طویل مدت تک بہت سے مواد جمع نہ ہو جائیں ۔ پھر اس کے ساتھ ملاء اعلیٰ کا غضب اور لعنت شامل نہ ہو ۔ غرض شاہ صاحب کے نزدیک ہر واقعہ خواہ وہ کتنا ہی خارقِ عادت کیوں نہ ہو ، اس کے لئے کچھ طبیعی اسباب کا ہونا لازمی ہے ۔ یقیناً اس کے ساتھ ملاء اعلیٰ کی مرضی بھی ایک ضروری شرط ہے ۔ شاہ صاحب نے اس کتاب میں بار بار اس پر زور دیا ہے ۔

یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف ؑ زکی و پاکباز تھے ۔ ان پر خواب میں وہ سب ظاہر ہوا ، جو آخر کار اللہ کا ان پر انعام ہونا تھا ، یعنی یہ کہ لوگ ان کی اطاعت کریں گے ۔ اور ان کے ماں باپ اور بھائی ان کی تعظیم بجا لائیں گے ۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اس کے لئے جملہ تقریبات بہم پہنچائیں ۔ وہ مصر پہنچے ۔ اور آخر میں وہاں صاحب اقتدار ہوئے ۔

خواب اور اس کی تعبیر کے بارے میں شاہ صاحب کی رائے یہ ہے :۔ قوتِ خیال معانیٔ مقصود کو ایک شکل دے دیتی ہے ۔ یہ شکل طبیعت کے مناسب حسب اقتضائے طبیعتِ کلیہ ہوتی ہے ، جو شخص اس کی معرفت رکھے ، وہ خواب کی تعبیر کر سکتا ہے ۔

عزیزِ مصر کی بیوی نے حضرت یوسف کو جو پھسلایا تھا ، اس واقعہ کی تاویل شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے :۔ وہ عورت اُن پر عاشق ہو گئی اور انہیں اُس نے پھسلایا ۔ وہ قوی المزاج نوجوان تھے ۔ عورت نے اُن کا ارادہ کیا ۔ اور انہوں نے اس کا ۔ (عین اس وقت) اللہ نے اپنی عظیم دلیل ظاہر فرمائی حضرت یوسف کے دل میں عصمت کا داعیہ حرکت میں

آیا اور اس نے ان کی طبیعت کے داعیہ کو اگرچہ وہ قوی تھا، مغلوب کر دیا۔ اس وقت ان کے لوحِ خیال پر ان کے والد کی شکل متمثل ہو گئی۔ اور وہ اپنے والد کو اللہ کی نشانیوں میں سے ملنتے تھے۔ اور وہ زمین میں داعی حق تھے۔ اور ایسے افعال سے روکنے والے تھے۔

ایوبؑ علیہ السلام

حضرت ایوب ہر طرح کی نعمت و آسائش سے بہرہ مند تھے۔ وہ اپنی قوم کو نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ بعد میں جب ان پر پے در پے مصیبتیں آئیں تو وہ صابر و شاکر رہے۔ آخر میں وہ مصیبتیں جاتی رہیں۔ اور اللہ نے ان کو پہلے سے زیادہ نعمتیں عطا کیں۔

حضرت ایوبؑ نے اپنے دورِ ابتلا و مصیبت میں منت مانی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو دُرّے ماریں گے۔ اللہ نے ان کے لئے اس میں آسانی پیدا کر دی۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن میں یوں کیا گیا ہے "...... اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا، پھر اس سے مار لے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو" (ص۔ ۴۴) شاہ صاحب اس واقعہ کی تاویل یوں کرتے ہیں "اللہ تعالے کا اپنے پیارے بندوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ ہوتا ہے کہ ان سے حدودِ شرعیہ کی ظاہری صورت پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اور اصل حقیقت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی عنایت و ارادہ سے ہوتا ہے جس کا تعلق ان شرائع سے ہوتا ہے، جو ملاءِ اعلیٰ میں انعقاد پذیر ہوتی ہیں۔ پھر ان شرائع میں حرج اور تکلیف نظر آتی ہے۔ اسی طرح ہر پسندیدہ نظام کے ساتھ اللہ کا یہی برتاؤ ہے۔ جب اسبابِ ارادی موافقت کرتے ہیں، چنانچہ وہ ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرتا ہے۔ پس ایک شے کے ایک پہلو کو چھوڑ کر دوسرے پہلو سے اکتفا کیا جاتا ہے۔"

یہ عبارت بڑی مبہم ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں شاہ صاحب نے اس امر

کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ جب شرائع سے حرج اور تکلیف واقع ہو تو ملاء اعلیٰ کی جانب سے اُن میں تغیر و تبدل کیا جانا تقاضائے عدل ہے۔

شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب کے ذکر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں اُن کی قوم نے زمین میں فساد برپا کیا۔ لوگوں کے حقوق مارے۔ وہ لوگ بُری رسموں پر جمع ہو گئے، مظلوم فریاد کرتے تھے لیکن کوئی اُن کی سنتا نہیں تھا۔ انہوں نے اللہ اور آخرت پر ایمان کو بالکل بُھلا دیا۔ حضرت شعیب نے ان اعمال بد کی جو سزا ملتی ہے، اس سے اپنی قوم کو ڈرایا۔ اور خدا کے غضب سے خبردار کیا۔

اِس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔ جب اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حکمتِ الٰہی منتظر رہی۔ یہاں تک کہ ایک مدت دراز تک ان کے ہاں بارش نہ ہوئی۔ زمین میں جو پانی کے مواد تھے، وہ بھی ختم ہو گئے۔ اور شدت کی گرمی پڑی تو اللہ کا حکم آپہنچا۔ چنانچہ اُن پر گرم ہوا چلی پھر ان ہواؤں میں اضافہ ہوا۔ وہ آگ ہو گئی۔ اور انہیں رعد کی مہیب آواز آئی۔ اس سے وہ ہلاک ہو گئے۔

موسےٰ علیہ السلام

شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔ فرعون نے اللہ اور اُس کے شعائر سے تکبر کیا۔ اپنی خدائی کا دعویٰ کیا۔ خدا کی مخلوق کو اپنا غلام بنایا اور ملک میں فساد برپا کیا۔ وہ بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا۔ اور اُس نے انہیں ذلیل و خوار بنا رکھا تھا۔ شاہ صاحب کے نزدیک اُس وقت بنی اسرائیل خدا کی مخلوق میں سب سے اچھے لوگ تھے۔ چنانچہ اللہ نے ارادہ فرمایا کہ فرعون اور اس کی قوم کو اُن کے بد اعمال کی سزا دے۔ اور کمزور بنی اسرائیل پر احسان فرمائے۔ اُن کو قوموں کا پیشوا بنائے۔ اور انہیں زمین کا وارث کرے۔ اِس کے لئے اللہ نے ایک عظیم الشان شخص کی پیدائش

کا حکم دیا۔ اس پر شروع ہی سے عنایات کیں۔ اسے پورے طور پر آزمایا تاکہ اس پر اس کی جبلت منکشف ہو۔ اور اس کی استعداد میں جو چیز پوشیدہ ہے، وہ ظاہر ہو جائے۔ یہ عظیم الشان شخص حضرت موسےٰ تھے۔ پھر شاہ صاحب نے ان عنایات الٰہی کا ذکر کیا ہے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ شیر خوار موسےٰ فرعون کے ہاں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ اور وہاں اُن کی اچھی تربیت ہوتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں، پھر حضرت موسےٰ اپنی عقل اور علم میں برابر بڑھتے گئے، اور اُن پر ان کی فطرت کا انشراح ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب اپنی قوت کو پہنچے تو انہیں اللہ نے حکمت اور علم عطا فرمایا۔ وہ احکامِ الٰہی کی تاویلیں سمجھ گئے۔ اور ملاءِ اعلیٰ سے مستفیض ہونے کی ان میں استعداد پیدا ہو گئی۔

اب ضرورت تھی کہ حضرت موسےٰ فرعون کے ماحول سے نکلتے۔ شاہ صاحب اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- پھر اللہ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کی تربیت سے خلاصی دینے کا ارادہ فرمایا تاکہ وہ (فرعون سے الگ ہو کر) اپنے علم اور ہدایت میں کامل ترین انسان ہوں۔ کیونکہ حضرت موسےٰ ان لوگوں میں سے تھے جن پر ان کی فطرت کا انشراح مومنوں کی صحبت سے کمال کو پہنچتا ہے۔ اور فرعونی لوگوں کی صحبت اور اُن کی معاشرت حضرت موسےٰ کو اس کمال تک پہنچنے میں مانع تھی۔ چنانچہ اللہ نے اُس کے لئے تقریب بہم فرمائی۔

حضرت موسیٰ مصر سے مدین پہنچے۔ وہاں کئی سال حضرت شعیب کے ساتھ گزار کر پھر واپس مصر کو روانہ ہوئے۔ یہ سفر بظاہر تو اپنی قوم کی محبت کی وجہ سے تھا۔ لیکن فی الحقیقت اس سے اللہ امرِ رسالت کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ مدین ہی میں حضرت موسےٰ کو اپنے لئے ایک عصا منتخب کرنے کی ہدایت کی گئی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اُس عصا کے انبیاء علیہم السلام

ایک دوسرے کے بعد وارث ہوتے آتے تھے۔ اور اس میں برکت تھی۔"

وادیٔ طُویٰ ہی میں حضرت موسےٰ کا دور سے آگ دیکھنا اور جب اس کے قریب آنا تو یہ آواز سُننا کہ "میں تمہارا رب ہوں" اس کی تاویل شاہ صاحب یوں کرتے ہیں:۔

"ملاءِ اعلیٰ میں حضرت موسےٰ سے بالمشافہہ خطاب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی کیونکہ حضرت موسیٰؑ طبیعت کے سخت، بہادر اور غیور تھے۔ اس لئے اس بقعۂ مبارکہ میں سرعت سے آگ صورت پذیر ہوئی۔ یہ آگ عناصر کی قسم سے نہ تھی بلکہ خالص عالمِ مثال کی چیز تھی۔ اس طرح اللہ نے ملاءِ اعلیٰ کی زبان سے آگ کے اندر سے حضرت موسےٰؑ سے بالمشافہ کلام کیا"۔ عصا اور ید بیضا کے دو معجزے جو حضرت موسےٰؑ سے صادر ہوئے، اُن کے بارے میں بھی شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ تھے تسمم طبیعی میں مثالی قوتوں کے ظہور کا۔ حضرت موسیٰؑ کا بنی اسرائیل کو لے کر دریا سے سلامت پار ہو جانا اور فرعون کا اپنے لشکر کے ساتھ اس میں غرق ہو جانا، شاہ صاحب اس واقعہ کی تاویل یوں کرتے ہیں:۔ "حضرت موسےٰؑ جب دریا پر پہنچے تو اللہ نے ایک تیز ہوا کو دریا پر مسلط کر دیا، جس نے دریا کے ایک حصّہ کو پھاڑ دیا۔ ایک کو خشک کر دیا، اور ایک حصّے میں ایسا تصرف کیا، جس طرح وہ اجزائے زمین میں تصرف کرتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ جھکڑ بن جاتی ہے۔ اس طرح اللہ نے بنی اسرائیل کو نجات دی۔ اور فرعون اور اُس کے لشکر کو ہلاک کیا"

جب بنی اسرائیل کو سزا کے طور پر صحرا میں رہنا پڑا تو اُن پر منّ اور سلویٰ نازل ہوا۔ شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اس نزول کے اپنے اسباب تھے۔ البتہ قدرتِ الٰہی نے ان میں بسط اور قبض فرما دیا تھا۔ اسی طرح دن میں بنی اسرائیل پر سائے کے مشابہ گھرے بادل کا ہونا جو انہیں دھوپ سے بچائے اور رات کو ستون کی طرح آگ

کا ہونا کہ وہ ان کے لئے مشعلوں اور چراغوں کا کام دے، تو یہ سب بادل اور برق میں تصرف سے ہوا کرتا تھا۔ اور اس کے لئے علم طبیعی میں کئی نظائر موجود ہیں۔ یہ واقعہ کہ حضرت موسےٰ پتھر پر عصا مارتے تھے، اور اس سے چشمہ پھوٹ پڑتا۔ شاہ صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں :۔ "حضرت موسےٰ کو الہام ہوتا۔ پھر وہ ایسے پتھر کو عصا مارتے جس میں پانی بہانے کی قریبی استعداد ہوتی۔ وہ پتھر پھٹ جاتا اور اس سے پانی جاری ہوتا۔" ایک واقعہ میں قارون اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دینے کا ذکر ہو۔ اس ضمن میں شاہ صاحب فرماتے ہیں :۔ "اللہ عذاب کے اقسام میں سے اُس قسم کو اختیار کرتا ہے۔ جو اس دن اسباب طبیعی کے زیادہ قریب ہو۔ قارون کے گھر کا دھنسانا اس روز بمقابلہ دوسرے عذابوں کے اسباب طبیعی کے بہت قریب تھا۔"

حضرت موسیٰ کا "عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا" (سورہ کہف ۶۵) سے ملنا، جسے عام روایات میں خضر کہا گیا ہے، اور اُن کو اپنے سے بڑھ کر عالم پانا۔ اس واقعہ کی تاویل شاہ صاحب اس طرح کرتے ہیں :۔ "حضرت موسےٰ کو یہ خیال ہوا کہ اُن سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ اس پر اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ ہمارا ایک بندہ خضر تجھ سے علم میں زیادہ ہے" یعنی خاص اوقات میں جو تدبیر الٰہی ہوتی ہے، اس کے جاننے میں چونکہ وہ اس تدبیر کو بروئے کار لانے میں اللہ کا جارحہ و واسطہ بنتا ہے۔ اس لئے وہ ان امور میں تجھ سے زیادہ معلومات رکھتا ہے۔ جیسے حضرت موسےٰ احکام کلیہ اور عام لوگوں کے لئے جو شرائع مقرر ہیں، اُن کے بارے میں اس سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ چونکہ اقامتِ دین کے لئے جارحہ و واسطہ بنتے ہیں۔ اس لئے وہ اس بات میں بھی اس پر فوقیت رکھتے ہیں" کچھ آگے اس کی مزید تشریح شاہ صاحب نے یوں کی ہے :۔

حضرت خضر نے حضرت موسےؑ کو ایسے تین واقعات دکھائے جن کے لئے اللہ نے تقریب بہم کی تھی، اور ان میں اس کی مخلوق کی اصلاح تھی چنانچہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اس فعل مقصود کے اتمام کے لئے حق کے جوارح میں سے ایک جارحہ بنایا۔ واقعہ یہ ہے کہ شرائع کا مدار احکام کلیہ اور حکم کے مواقع پر ہوتا ہے۔ اور ایسے واقعات کے لئے جو تقریبیں ہوتی ہیں، ان کا مدار جزئی مصلحتوں پر ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ کسی امر کا وقوع پذیر ہونا وقت اور حالات کے مناسب ہوتا ہے۔ یہ باتیں دقیق ترین علوم میں سے ہیں۔ اور ان کو وہی جانتا ہے، جو نور حق کا جارحہ بنتا ہے۔

حضرت موسےؑ کے بعد اللہ نے بنی اسرائیل میں بہت سے نبی مبعوث فرمائے۔ ان میں سے کوئی بادشاہ ہوا، جیسے یوشع کوئی عالم جیسے اشعیاؑ، شمویلؑ اور کوئی زہد ریاضت والا جیسے الیاسؑ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ ان انبیاء کا ایسا ہونا اقتضائے مصلحت کے تحت ہے، اور ان امور میں ہر وقت اقرب اور اسہل کے انتخاب کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

> جملہ انبیاء باہم بنو علات ہیں۔ اُن کا باپ ایک ہے اور وہ
> عبارت ہے مناسبت نبوت الٰہی تربیت سے۔ اور ان کی مائیں
> الگ الگ ہیں۔ اور یہ ہیں وہبی اور اکتسابی استعدادیں"

داؤد علیہ السلام

قرآن میں حضرت داؤدؑ کے ذکر میں ارشاد ہوا ہے۔ "اور یاد کر ہمارے بندے داؤد قوت والے کو۔۔۔ وہ تھا (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا۔ ہم نے (اس کے) تابع کیے پہاڑ۔ اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے شام کو اور صبح کو اور پرندے جمع ہو کر سب اس کے فرماں بردار تھے" (ص-۱۹)

شاہ صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:۔ خدا نے حضرت داؤد کو اچھی آواز دی تھی جس کا لوگوں اور چوپایوں دونوں پر اثر ہوتا تھا۔ اور پہاڑوں کو بھی اُن کا مطیع کیا تھا کہ جب حضرت داؤد تسبیح کرتے تھے تو وہ صبح و شام اس کا جواب دیتے تھے۔ اس کی یہ صورت تھی کہ جب گنبد میں بولا جائے تو اس کا جواب ملتا ہے۔ اسی طرح پہاڑوں سے بھی آواز آتی تھی۔ مزید فرماتے ہیں:۔ قوی ہمت والا عالی نفس جب کسی کیفیت سے پُر ہو جاتا ہے تو جو نفوس اور طبائع اس کے قریب ہوتی ہیں، یہ کیفیت ان میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور جب یہ نفس کسی پتھر اور درخت سے ایسی معرفت کی بات سنتا ہے، جو وقت کے اقتضا کے مطابق ہوتی ہے تو اس نفس کی قوت لوگوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور وہ بھی وہی سننے لگتے ہیں، جو اس نے سنا تھا۔

حضرت داؤدؑ کے عہد میں بعض یہودیوں نے یوم سبت کا موسوی شریعت کے مطابق احترام نہ کیا۔ اس پر اُن پر اللہ کا عذاب ہوا۔ اور کہا گیا کہ "ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔" (البقرۃ ۶۵) شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔ "...... اللہ نے اُن کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے مچھلی کو فاسد المزاج اور بدبودار بنا دیا۔ جب وہ اس کو کھاتے تھے تو یہ فسادِ مزاج اُن میں بھی سرایت کر جاتا تھا۔ اور ان کے بدن بگڑ جاتے تھے .... ان کے بدنوں پر (بندروں کی طرح) بال نکل آئے ......"

سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں قرآن میں آیا ہے۔ "وہ بولے اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے۔ .... اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اُن کے لشکر جنوں اور انسانوں

ہیں سے۔ اور پھر ان کی جگہ نئیں بنائی جاتیں۔۔۔۔" (النمل ۱۷) شاہ صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں:۔ پرندوں کی مختلف آوازیں ہوتی ہیں، جو اُن کے مختلف حالات کی نشان دہی کرتی ہیں۔۔۔۔۔۔ اللہ نے حضرت سلیمان کو ان علوم کا اکثر حصہ سکھادیا تھا۔ اور اکثر اوقات بعض عارفوں کو بھی ایسے علوم عطا ہوتے ہیں۔"

سورۃ الانبیاء میں ہے:۔ اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور سے چلنے والی کہ چلتی ان کے حکم سے اس زمین کی طرف جہاں برکت دی ہے ہم نے۔۔۔۔۔ اور تابع کئے کتنے شیطان جو اُن کے واسطے غوطہ لگاتے اور اس کے علاوہ بہت سے اور کام کرتے۔۔۔۔" (۸۱) اس کی تاویل شاہ صاحب یوں کرتے ہیں:۔ ہوا، آگ اور دوسری چیزوں کے وجود کی اصل قیومیتِ حق کی صورت میں پائی ہے۔ جو اس ضمن میں عنصر اول ہے کبھی ایک قیومیت کی تاثیر سے ایک چیز ہوا بن جاتی ہے۔ اور کبھی ایک سے پانی۔ اسی پر دوسری چیزوں کا قیاس کر لو۔ کامل بندے کو بسا اوقات ان میں سے بعض قیومیتوں سے مناسبت ہوتی ہے چنانچہ حضرت سلیمانؑ کو ہوا اور آگ کی قیومیت سے مناسبت تھی۔ اور اُن کے اندر اشیا کو تسخیر کرنے کی قوی ہمت تھی۔ اس مناسبت کی رو سے ان کی ہمت میں برکت ہوئی۔ اور انہوں نے شیطانوں کو تابع کر لیا۔۔۔۔۔ سورۃ النمل میں ہُدہُد اور سبا کی ملکہ بلقیس اور اس کے تخت کو پلک جھپکنے سے پہلے لانے کا قصہ مذکور ہے۔ شاہ صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں:۔ اللہ نے بلقیس کے تخت کو احکامِ ناسوتیہ (اس دنیا کے احکام) کے دائرہ اثر سے باہر نکال لیا۔ اور اس پر عالم مثال کا حکم جاری کیا۔ (یہ اس کے پایۂ حکومت یعنی یمن میں ہوا) اس صورت میں جب وہ حضرت سلیمان کے پایۂ تخت میں پہنچ گیا) تو اس جگہ پھر اسے ناسوت (اس دنیا کے احکام) کا لباس پہنا دیا۔

یُونس علیہ السّلام

حضرت یُونسؑ کے متعلق قرآن میں آیا ہے۔ "بے شک یونسؑ رسولوں میں سے تھے۔ جب بھاگ کر پہنچے اُس بھری کشتی میں۔ پھر قرعہ ڈلوایا تو نکلے قصوروار۔ پھر نگل لیا اُن کو مچھلی نے اور وہ الزام کے مستحق تھے۔" (الصّٰفّٰت ۱۴۲-۱۳۹)۔

شاہ صاحب نے حضرت یونسؑ کے قصے کی جملہ تفصیلات بیان کی ہیں۔ اور اس ضمن میں لکھا ہے کہ جب وہ کدو کی بیل سوکھ گئی، جو اُن کو سایہ کیئے ہوئے تھی۔ اور ہرنی جو دودھ پلاتی تھی، وہ چلی گئی۔ تو آپؑ کو بڑا رنج ہوا۔ اس پر اللہ نے ان کو وحی کی کہ ان پر تو غم کرتے ہو۔ لیکن ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی تباہی کا تمہیں خیال نہ آیا۔ اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔ "اس وحی میں اُن کے نفس نے بعض چیزوں کا جو ارتکاب کیا، انہیں ظاہر کیا گیا تھا۔ اور یہ اس لیئے کہ جب کوئی زکی و پاکباز نفس کسی ایسی چیز کا ارتکاب کرتا ہے، تو اس پر ایک رنگ یا کیفیت وارد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس حالت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ نفس اس رنگ یا کیفیت کو جانے اور یہ بھی جانے کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ اُسے یہ علم خواہ خواب سے ہو۔ یا کسی خارج میں ہونے والے واقعہ سے جو خواب ہی کی طرح ہو یا وحی الٰہی سے جیسے کہ عالَم برزخ میں جب طبیعت سکون پذیر ہوتی ہے، تمام نفوس کو علم ہوتا ہے۔

حضرت یُونسؑ کو بہت سے واقعات دکھائے گئے۔ یہ مثالیں تھیں حضرت یونسؑ کے لیئے جو اپنی قوم کی ہلاکت چاہتے تھے۔ یہ ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں وہ انہیں دیکھ کر انہوں نے اللہ کے حضور میں عاجزی کی۔ اور وہ تائب ہوئے۔ اللہ نے اُن کی پُرخلوص توبہ قبول کی۔ اور پہلے کی طرح اُن کی کفالت کی۔ چنانچہ اُن کی بیوی

کو اُن کی طرف لوٹایا۔ انہیں سو دینار دیئے۔ ان کی اولاد کو ان کی طرف لوٹایا۔ انہیں مچھلی کے پیٹ سے نکالا۔ ان پر نشانیاں ظاہر کیں۔ اور انہیں اپنی قوم میں سچا بنایا۔

اس کے بعد شاہ صاحب یہ کلیہ بیان فرماتے ہیں:۔

اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آئینہ کی طرح ہے (کالمرآۃ) جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جن کو میں تمہارے حساب میں رکھتا ہوں۔ پس جس نے اچھا کام کیا۔ اس کے نتیجہ میں اس کے نفس نے اچھا رنگ اختیار کیا۔ اسے اس کا اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ اور جس نے بُرا کام کیا۔ اس کے نتیجے میں اس کے نفس نے بُرا رنگ اختیار کیا۔ اسے بُرا بدلہ ملے گا۔ اور سب دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں

زکریا، مریم، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت مریم کی ماں ایک عمر رسیدہ بانجھ عورت تھی۔ انہوں نے ایک کبوتری کو اپنے بچوں کو دانہ کھلاتے دیکھا تو ان میں اپنے بچے کے لئے اشتیاق پیدا ہوا۔ وہ رو پڑیں۔ اور اللہ کے حضور میں دعا کی۔ اللہ نے اُن کا بانجھ پن دور کر دیا۔ اور بقول شاہ صاحب :۔ "یہ اس طرح ہے، جیسے اطبا کہا کرتے ہیں کہ حیوانات کو بحالتِ جفتی دیکھنے سے انسان کی نسلی قوتیں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ اور نامرد مرد ہو جاتا ہے۔"

حضرت مریم کی ماں بی بی حنہ کو لڑکے کی خواہش تھی۔ چنانچہ ان کی قوتِ متخیلہ، عزم راسخ اور زبردست آرزو نے اُن کے پیٹ میں جو بچہ تھا اس پر اثر کیا۔ بی بی حنہ کے ہاں

بابرکت لڑکی حضرت مریم ہوئیں۔ ان میں مردوں کا سا مزاج تھا۔ وہ جسم کی قوی، مزاج کی کامل، صحیح فطرت و شائستگی کی مالک تھیں۔ اور اُن کے یہ وہ صاف ایسے تھے جیسے بڑے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ وہ مرد عورت تھیں، یعنی بظاہر وہ عورت تھیں لیکن اُن میں مردوں کے اوصاف تھے۔ اور یہ اس لئے تھا کہ اُن کی ذات میں اللہ کی طرف توجہ اور اُس سے امید وابستہ کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ اِس بارے میں اُن کی ہمت مجتمع ہوئی۔ یہاں تک کہ اُن کی قوتِ مصوّرہ میں نفوذ کر گئی۔

حضرت مریم کے واقعۂ حمل کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ "پھر ہم نے اس (حضرت مریم) کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا۔ پھر وہ بن کر آیا اُس کے سامنے ایک پورا آدمی ..... اس (فرشتہ) نے کہا۔ میں بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ تجھے ایک پاکباز لڑکی لڑکا دوں ....." شاہ صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں :۔ اللہ نے حضرت مریم کی طرف ایک کامل خلقت شباب اور جمال سے بھرپور نوجوان کی صورت میں جبرئیل کو بھیجا۔ حضرت مریم نے اُن کو دیکھا اور وہ خود بھی جوان اور قوی المزاج تھیں۔ وہ ڈریں۔ اور اللہ سے صدقِ دل سے دعا کی کہ وہ اُن کی عصمت کی حفاظت کرے۔ پھر ان کی عجیب حالت ہو گئی۔ طبیعت میں قوائے نسلیہ کا ہیجان پیدا ہوا، جیسے کہ جماع میں ہوتا ہے۔ اور جیسے بعض اوقات دیکھنے سے انزال ہو جاتا ہے۔ یہ تو حضرت مریم کی طبیعت کی کیفیت تھی جہاں تک اُن کے نفس کا تعلق تھا، وہ اس وقت اللہ کی طرف متوجہ تھا۔ اور اس سے پناہ مانگ رہا تھا۔ اِس کی وجہ سے اُن کا نفس عصمت کی کیفیت سے جس کا غیب سے فیضان ہوا تھا، بھرپور ہو گیا۔ اور الروح الامین (جبرئیل) کے اختلاط سے صورت انسانیہ ظہور ہونے والی تھی۔

غرض ایک طرف طبیعت کا ہیجانی و شہوانی پہلو تھا اور دوسری طرف نفس کا الوہی و ملکوتی پہلو حضرت مریم کا حمل دونوں کے اجتماع کا نتیجہ تھا۔

حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے حضرت مریم کے نطفے سے ہونا، شاہ صاحب اس کی یہ تاویل کرتے ہیں وہ حضرت مریم کی منی میں مرد کی منی کی قوت تھی۔ اس لیے اُن کو حمل ٹھہر گیا، اور ان کے پیٹ میں جو بچہ تھا اس میں حضرت مریم کو اللہ کی طرف جو خصوصی توجہ تھی، اس سے انہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی جو دعا مانگی تھی۔ اور اس سے پناہ چاہی تھی یعنی فرشتے کو دیکھ کر انہیں جو خوشی و مسرت ہوئی تھی، یہ سب باتیں آگئیں۔ حضرت مریم کی یہ کیفیت اُن کے نفس کی ہر قوت میں یہاں تک کہ قوتِ مصورہ اور قوتِ مولّدہ میں سرائیت کر گئی۔ بات یہ ہے جیسا کہ اطبا کہتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے ہاں لڑکا ہو، وہ جماع کے وقت لڑکے کا تصور کرے۔ حضرت مریم کے پیٹ میں جو بچہ تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔

نفخ جبرئیل
فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا۔ (الانبیاء ۹۱)

سے اس میں عالم مثال کے احکام اور روح کے خواص آ گئے کیونکہ بچے کی صورت بننے کا سبب وہی تھا۔ اس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی جبلّت میں جبرئیل سے مشابہ ملکہ اسخر حصول پذیر ہو گیا۔ یہ ہیں معنی قرآن کی اس آیت کے وَاَیَّدْنَاہُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (البقرہ ۸۷/۲۵۳)

(اور ہم نے اس کی روح القدس سے تائید کی)

حضرت عیسیٰ کو جو مختلف نشانیاں دی گئیں، شاہ صاحب نے اُن کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی۔ اور حضرت عیسیٰ نے باوجود بچہ ہونے کے جس میں کہ قوتِ گویائی نہیں ہوتی، اپنی ماں کی مدافعت کی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ یہ اُن کی قوتِ روحانی کی وجہ سے ہوا۔

قرآن میں حضرت عیسےؑ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ "بیشک میں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی صورت بناتا ہوں پھر اُس میں پھونک مارتا ہوں۔ تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتی ہے"۔ (آل عمران ۴۹)۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں حضرت عیسےؑ کے مٹی کے پھونکنے کے ضمن میں اس مٹی کی صورت میں زندگی سرایت کر جاتی تھی۔ پس یہ معاملہ دو باتوں میں منحصر تھا حضرت عیسیٰؑ کا زور سے پھونک مارنا اور اس کا زندہ ہونا۔ اس کے بعد وہ پرندہ مرجاتا تھا

آل عمران ہی میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول مذکور ہے۔ "میں ٹھیک کرتا ہوں۔ اندھے اور برص والے کو اور زندہ کرتا ہوں مُردوں کو اللہ کے حکم سے" شاہ صاحب مُردوں کو زندہ کرنے کے باب میں فرماتے ہیں: جسم سے نفس یعنی زندگی کا جو تعلق تھا، وہ تعلق ابھی حقیقی زندگی کا نہ تھا جب حضرت عیسیٰ دعا کرتے تھے۔ تو اس تعلق ذہنی میں اللہ برکت ڈیتا۔ اور اس سے اس پر زندگی کا عکس پڑتا۔ اس طرح مُردہ زندہ ہو جاتا۔ پھر جب حضرت عیسیٰ اس سے الگ ہوتے تو وہ مرجاتا۔

یہودیوں کی شریعت بڑی سخت تھی۔ حضرت عیسیٰ نے بہت سی چیزیں جو اُن پر حرام تھیں، حلال قرار دیں۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں عیسیٰ علیہ السّلام کے دین میں وسعت اور سہولت ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پُرمشقت احکام اُس وقت آتے ہیں جب ملکیّت اور بہیمیّت میں تصادم ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ تو گویا زمین پر چلنے والے فرشتہ تھے۔

یہودیوں کا کہنا تھا کہ "ہم نے عیسیٰ بن مریم کو جو اللہ کے رسول تھے قتل کر دیا۔" (النساء ۱۵۶) قرآن اُن کے جواب میں فرماتا ہے۔ "نہ تو انہوں نے اُسے قتل کیا اور نہ اسے سُولی دی۔ لیکن وہی صورت بن گئی اُن کے آگے) اور جو اس بارے میں

اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں۔ انہیں اس کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض ظن و تخمین کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یقیناً انہوں نے اُسے قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا ہے" (النساء ۱۵۷) شاہ صاحب اس بارے میں یہ لکھتے ہیں:۔

"اللہ نے اُن کی ایک مثالی ہیئت بنائی۔ اور انہیں آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ اور اُن کے پیروؤں یا اُن کے دشمنوں میں سے کسی شخص کی اُن جیسی شکل و شباہت بنا دی۔ اور وہ اس شبہے میں قتل کر دیا گیا کہ وہ عیسٰی علیہ السلام ہیں۔ پھر اللہ نے اُن کے پیروؤں کو اُن کے دشمنوں پر فتح دی۔ اور وہ غالب ہو گئے۔"

نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے اصول جو اُن کی تاویل کے مرجع ہیں، یہ ہیں۔ ایک یہ کہ ملاءِ اعلیٰ اور آپؐ کے درمیان فطری مناسبت تھی۔ بسبب اس کے آپؐ کا نفسِ ناطقہ بلند تھا۔ آپؐ کا مزاج جس کا تعلق نسمہ یا روحِ طبعی سے ہوتا ہے، کامل و معتدل تھا اور اچھے اخلاق کا مستوجب تھا۔ اور آپؐ کے مزاجِ نسمی اور نفسِ ناطقہ میں اصطلاح[1] کی بنیاد پر اجتماع تھا۔ اس سے یہ لازم آیا کہ ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے آپؐ کے قلب میں برابر تائید وارد ہوتی رہے۔ اور یہ تائید کبھی اس صورت میں ہو کہ ملاءِ اعلیٰ آپؐ کو دکھائی دیں۔ کبھی آپؐ کو وہ مخاطب کریں اور آپؐ کے قلب میں الہام کریں۔ اور کبھی

---

[1] اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ قوتِ ملکیہ اپنے طبعی تقاضوں اور اس کا جو کمال کا درجہ ہے، اس سے تنزل کر کے نیچے اترے۔ قوتِ بہیمیہ اپنی سفلی خواہشات کو دبا کر ملکیت کی طرف ترقی کرے۔ اور یہ دونوں ایک ایسے مقام پر ملیں، کہ اس مقام سے بہیمیت کو بھی مناسبت ہو۔ اور اس کا ملکیت سے بھی لگاؤ ہو۔ ہمعات۔ تالیف شاہ ولی اللہ

آپ ان کو خواب میں دیکھیں۔

اس کی مثال شاہ صاحب یہ دیتے ہیں۔ جو آدمی بہادر اور اپنی بہادری میں کامل ہوتا ہے، معمولی سے معمولی سبب ہو، اس کے اندر بار بار بہادری کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اسی طرح چونکہ آپؐ اور ملاءِ اعلیٰ کے درمیان فطری مناسبت تھی۔ اس لئے نیند ہوتی یا بیداری، جب بھی آپؐ ملاءِ اعلیٰ کی تائید کے لئے فارغ ہوتے، ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے ان اسباب کے مطابق جو آپؐ کو گھیرے ہوتے، اللہ تعالےٰ جو چاہتا آپؐ پر مترشح ہوتا۔

ملاءِ اعلیٰ سے آپؐ کے اس خصوصی تعلق کی بنا پر آپؐ کی ہمت اُدھر متوجہ رہتی۔ اور ملاءِ اعلیٰ کی برکتیں ہر وقت آپؐ کا احاطہ کیے رہتیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اسی طبعی خصوصیت کی بنا پر آپؐ کا سینہ شق ہوا۔ اور اس میں حکمت اور ایمان بھر اگیا۔ آپؐ کو بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر اور اس کے بعد جہاں اللہ نے چاہا لے جایا گیا۔ آپؐ نے انبیاء علیہم السلام کی روحیں دیکھیں۔ اور ملائکہ کو اُن کی اپنی صورتوں اور شکلوں میں متشکل دیکھا۔ انسانِ اعظم یعنی امام نوع انسان کے دل میں جو صورتِ حق ہے، آپؐ وہاں تک پہنچے، اور وہاں سب سے اچھی صورت میں ظہور فرمایا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔ اسی خداداد فطری استعداد کی بنا پر آپؐ ملاءِ اعلیٰ سے علم تہذیبِ نفس حاصل کرنے کے مستوجب بنے۔ پھر آپؐ نے اس زمانے میں جو اعمال نیک و بد تھے، ان میں غور و تامل کیا۔ اور ہر ایک کا نفسیاتی مصدر و منبع جانا۔ اور یہ بھی معلوم کیا نیک اعمال کیسے کیے جاتے ہیں اور بُرے اعمال سے کیسے بچا جاتا ہے۔ پھر آپؐ کو اللہ نے ایسی سمجھ عطا کی تھی جس سے آپؐ ارتفاقات (معیشت و معاشرت کے اصول) کو جانتے تھے۔ آپؐ نے اُن مصلحتوں کو جانا جو قوم کا معمول ہوتی ہیں صحیح وغیر

صحیح کو معلوم کیا۔ اور آراء کلیہ اور آراء جزئیہ کو جانا۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔ ان امور میں سے ایک امر یہ ہے۔ کہ اللہ نے اپنے بندوں پر لطف کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ لطف عبارت تھا اس سے کہ لوگوں کو ان کی بری باتوں پہ تنبیہ کی جائے۔ اور انہیں حق کا راستہ دکھایا جائے۔ اللہ کا یہ ارادہ ملاء اعلیٰ میں متمثل ہوا۔ اور اس نے ایک مثالی شخص کی صورت اختیار کی۔ جسے ہم نبی الانبیاء سے موسوم کرتے ہیں۔ اور یہ شعائر الٰہیہ کی اصل اور بنیاد ہے۔ اسی کا فیضان بنی آدم کے قلوب پر ہوا۔ ایسے انسانوں کو رسل اور انبیاء کہا جاتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس آخری دور میں آپؐ کی ذات بابرکات اس صورت کے لئے جو نبی الانبیاء سے نازل ہوئی، مادہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ صورت اسی طرح نازل ہوتی ہے۔ جیسے آئینہ میں کوئی شکل۔ صورت کا یہ نزول اللہ کے ارادے کا متمثل ہوتا ہے۔ اس صورت یا اللہ کے ارادے سے احکام الٰہیہ کا چشمہ پھوٹا۔ اس طرح لوگوں کو ایک ایسے پائدار امر کا مکلف بنایا گیا، جس میں تحریف نہ ہو سکے۔ اور تسلسل سے اس میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اور تقرب الی اللہ اسی سے حاصل ہو۔

شاہ صاحب اس باب کے آخر میں ایک جگہ لکھتے ہیں:۔ جب تم انسان کا تصور کرتے ہو۔ تو تمہارے ذہن میں انسان کی صورت آئے گی۔ یہ صورت خود انسان نہیں ہے، بلکہ یہ اس کا مظہر اور منصۂ شہود ہوگی۔ انسان کی حقیقت اس سے ماوراء ہے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احکام شریعت کے لئے مادہ ہوتے ہیں لیکن بجنسہٖ وہ نہیں ہوتے۔ وہ تو اس صورت علمیہ کے ساتھ جس کا نبی الانبیاء سے نزول ہوتا ہے، زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ گویا شریعت ایک لحاظ سے آپؐ کے اقوال اور علوم میں داخل ہے۔ تو دوسرے لحاظ سے اس سے خارج۔ لیکن اس سے متعلق ہے۔

آپؐ کے معجزات کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب کہتے ہیں:۔ آپؐ سے جو معجزات ظاہر ہوئے

بلکہ جو کرامتیں کامل لوگوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتی ہیں، ان کے کچھ اصول ہیں۔ ان میں سے ایک بخت ہے۔ بخت سے شاہ صاحب ذاتی استعداد بھی لیتے ہیں۔ اور حالات و واقعات کی اثراندازی بھی۔ دوسرا آپ احسن تقویم اور معتدل ترین مزاج کے ساتھ ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب ستاروں کی قوتوں کا بہت اچھا اجتماع تھا۔ یہ آپ کے لئے بزرگی، غلبہ اور عرب و عجم کی امامت کے متقاضی ہوا کہ لوگوں کی پیشانیاں آپ کے سامنے جھکیں اور آپ سے منسوب ملت یوم قیامت تک رہے۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم من اللہ بنے گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات کی خبروں کو اجس قدر اللہ چاہتا، آپ غیب سے حاصل کر لیتے تھے۔ اور چوتھا یہ کہ آپ کے نفس اور اس کے جمیع متعلقات کو عظیم برکت دی گئی۔ برکت کی حقیقت یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کی رحمتوں، دعاؤں اور رضا کا ایک وسیع سبب بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے نفس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اس سے طبیعی اسباب میں بسط پیدا ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی عادت پر ایسی نفسیاتی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ اسے بھوک محسوس نہیں ہوتی۔ اور حرارتِ غریزی سے اس کے بدن کے اجزا میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ جب اس استعداد کے ساتھ برکت بھی شامل ہو جائے تو یہ صلاحیت عقلی اقتضا سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

یہاں شاہ صاحب ایک اور امر کی وضاحت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ ہر نفس میں اس کا اپنے ربّ تبارک و تعالیٰ اور اس کے شعائر کے بارے میں جو اعتقاد ہوتا ہے، اس کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اس طرح اس کے قلب کو جس چیز کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے، اس کی بھی قلب میں ایک صورت ہوتی ہے ــــ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب نفس اپنی پوری ہمت کے ساتھ اس اعتقاد کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ اعتقاد کسی نہ کسی شکل اور صورت کا لباس پہن لیتا ہے۔ یہ اکثر تو خواب میں ہوتا ہے۔ اور کم تر بیداری میں ہوتا

ہے۔ پھر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس میں یہ استعداد ہوتی ہے۔ اور اُسے برکت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سے تجلیات اور مبشرات کا ظہور واجب ہو جاتا ہے۔ اور اس تک عوام کی پہنچ نہیں ہوتی۔

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو معجزات بالتواتر مروی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپؐ طعام یا پانی پر دعا فرماتے تھے۔ اور اس میں بہت برکت ہو جاتی تھی۔ یہ یا تو ایسا ہوتا۔ کہ صرف اس چیز کا نفع بڑھ جاتا اور وہ چیز زائد نفع کی جگہ لے لیتی۔ یا خود وہ چیز بھی زیادہ ہو جاتی اور اس کا مادہ ملاءِ اعلیٰ کی ہمتوں کے انوار سے متاثر ہوتا۔ اور وہ پانی اور طعام کی صورت اختیار کر لیتا۔ عادی امور میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ ان دونوں خصوصیتوں میں آپؐ کے ساتھ مفہمّ اور اولیاء بھی شریک ہیں۔ چنانچہ تم اُن کے مناقب کی کتابیں کشف، دل کی بات معلوم کر لینا، غیب سے آواز آنا، دعا کا قبول ہونا اور اس طرح کی دوسری باتیں جیسی کرامات سے بھری ہوئی پاؤ گے۔

اسی طرح جو خوارق عادت واقعات ہوتے ہیں شاہ صاحب یہاں اُن پر بھی بحث کرتے ہیں لکھتے ہیں:۔ ان کم ہونے والے واقعات کے اسباب تو ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ قلیل الوقوع ہوتے ہیں اس لئے انہیں خوارق کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس کی یوں مزید وضاحت فرماتے ہیں:۔ حق یہ ہے کہ ہر وہ واقعہ جس کو خرق یا عادت کے خلاف کہا جاتا ہے وہ فی الحقیقت امورِ عادیہ میں سے ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے اسباب قلیل الوقوع ہوتے ہیں۔ اور یہ واقعہ بھی کم ہوتا ہے کہ عوام اس کی توقع نہیں کرتے۔ اس لئے اُسے خوارق کہا جاتا ہے۔ بسا اوقات ان کے ہاں اس امر خارق کے لئے مالوف نظیر بھی ہوتی ہے۔ بلکہ یہ نظیر خارق ہونے میں اس واقعہ سے بھی کامل تر ہوتی ہے لیکن اس کی طرف عوام التفات نہیں کرتے۔ غرض جب اُن کے ہاں ایسا کوئی خارق

وقوع پذیر ہوتا ہے۔ تو وہ اسے بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اس پر تعجب و حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کی زبانوں پر اس کا ذکر ہوتا ہے۔ اور اسے وہ کتابوں میں لکھتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر انبیاء کے معجزات کی اہمیت کیا ہے؟ شاہ صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں:۔ خلاصہ یہ کہ اس قسم کے واقعات ظاہر ہوتے ہیں پھر اللہ تعالےٰ اپنے انبیاء میں سے کبھی کسی نبی کے لئے کسی وجہ سے (بوجہ من الوجوہ) ان کو معجزہ قرار دیتا ہے۔ یہ وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ نبی اس واقعہ کے ظہور سے پہلے ہی اس کی خبر دے دیتا ہے۔ یا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سنت مکافات وغیرہ کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ نے عاد اور ثمود کو اُن کے اُن گناہوں کی وجہ سے ہلاک کیا، جو موجب ہلاکت تھے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اسے ہود اور صالح علیہما السلام کے لئے معجزہ بنا دیا۔ یہاں شاہ صاحب نے "شق القمر" کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بحث خود شاہ صاحب کے الفاظ میں پیش ہے۔

ایک ایسے عالم[1] نے جسے علم الاثر اور حکمت طبیعیہ کی معرفت ہے۔ کہا ہے: کہ چاند کا شق ہونا اس قسم کے معجزات میں سے ہے۔ کیونکہ یہ بھی قلیل الوقوع حادثہ تھا۔ اسے اللہ تعالےٰ نے قرب قیامت کی علامت بتایا۔ جیسا کہ اس نے سورج اور چاند کو گرہن لگنے، زلزلوں اور جنگوں کو اس کے لئے نشانیاں بنایا۔ شق القمر کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ نے اس لئے معجزہ بنایا کہ لوگوں نے آپؐ سے کسی نشانی (آیت) کا مطالبہ کیا تھا۔ پس اللہ نے یہ خبر دی کہ وہ انہیں نشانی (آیۃ) دکھائے گا۔ جب چاند شق ہو گیا۔ تو اللہ نے انہیں یہ دکھا دیا۔ اس (عالم نے جسے علم الاثر اور حکمت طبیعیہ کی معرفت ہے) کہا ہے۔ کہ یہ ضروری نہیں کہ بعینہٖ چاند میں انشقاق واقع ہوا ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دھوئیں یا ستارہ کے ٹوٹنے یا سورج اور چاند کو گرہن لگنے

---

[1] اس سے مراد غالباً شاہ ولی اللہ صاحب خود ہیں۔

کی طرح کا ہو۔ جیسا کہ فضا میں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ ان چیزوں کے لیے عربی لغت کے وہ الفاظ استعمال کیے گئے جو فی الواقع اُن کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ اور قرآن عربی لغت میں نازل ہوا ہے۔ اس کی نظیر وہ ہے جس کا ذکر عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا ہے۔ اور اس بارے میں وہ تیرے لیے کافی ہے۔ (عبداللہ بن مسعود نے کہا) لوگوں کو قحط نے آلیا (بھوک کی شدت میں) جب وہ دیکھتے دیکھتے تو انہیں آسمان میں دھواں نظر آتا تھا۔ اس بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ؕ (یاد کرو جب آسمان سے دھواں نمودار ہوگا)

شاہ صاحب نے اس تاویل کی تائید میں ابن الماجشون کا حوالہ بھی دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔ ابن الماجشون نے جو آئمہ ہدایت میں سے ایک امام ہیں، کہا:۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل نہیں ہوگا۔ لیکن لوگ اسے مختلف صورتوں میں دیکھیں گے۔ ابن الماجشون نے یہ بھی کہا۔ اس حادثے کا سبب پانی کے صاف اور باہم مربوط اجزا کا ایک سطح کی طرح جمع ہونا ہے۔ اس کے عقب میں پہاڑ یا گھر یا بادل ہو۔ اور وہ آئینہ کی طرح بن جائے۔ اور اس میں چاند کا عکس پڑے۔ چنانچہ لوگ فضا میں دو چاند دیکھیں۔ کبھی وہ چیز انطباع پذیر (منعکس) ہوتی ہے۔ جو آسمان میں نہیں ہوتی۔ اور کبھی چاند بعینہٖ چھپ جاتا ہے۔ اور فضا میں دو ٹکڑے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے سورج اور چاند کو گرہن لگنا اور ستاروں کا ٹوٹنا۔ نص میں آیا ہے کہ یہ سب نشانیاں (آیات) ہیں۔

محمد سرور

— : ۴۶ : —

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے صاف و روشن امر اور رُشد و ہدایت کے ساتھ انبیاء کو مبعوث کیا۔ اور ان کے سینوں میں اپنی ذات و اسماء کے معارف اور ایجاز کے اسرار کے خزانہ ہائے علم رکھے۔ اور ان کی زبانوں سے وہ کہلوایا جس سے کہ وہ شخص کہ اس کی نظمِ فطرت عیوبِ شاعری سے پاک ہے۔ تہذیب حاصل کرے۔ اور جو حق کے انکار اور اُس کی مخالفت پر مُصِر ہے، اس پر حجت قائم ہو۔ پھر ان کے احوال کو قرب کے نشیبوں اور بلندیوں میں متصرف کیا اور ان پر اپنی قدرتوں اور حسابوں سے نادر وقائع ظاہر کیے۔ پس کتنی برکتیں بوجہ اس کی رحمت کے انہیں ڈھانپ لینے کے، جاری و ساری ہوئیں۔ اور اس نے ان کی مدد کی۔ اور کتنی تکلیفیں اس نے ان پر کم کر دیں "تاکہ جو کچھ وہ ان پر نازل اور وارد کرتا ہے۔ اس کے متعلق ان کے دلوں کو مضبوط کرے" اور کتنے معجزے تھے کہ ظاہر ہوئے "تاکہ جسے اپنی بدبختی سے ہلاک ہونا ہے، وہ واضح دلیل سے ہلاک ہو۔ اور جسے اپنی سعادت مندی سے زندگی پانا ہے، وہ واضح دلیل سے زندگی پائے۔" اور دشمنوں کے کتنے فریب تھے کہ کفر کے قلع و قمع اور اس کے خلاف جہاد کے وقت

انہیں ان کے سینوں پر لوٹایا۔ اور کتنے دشمن تھے کہ ان (انبیاء) کی قبول ہونے والی دعا نے انہیں توڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ ان کو ان کی قبروں اور لحدوں میں داخل کر دیا۔ اور کتنے رُویا تھے کہ اُن میں اِن (انبیاء) کے لیے برزخ اور حشر کے اسرار اور جو کچھ انسان پر معاد میں وارد ہوتا ہے، وہ سب متمثل ہوئے۔ اور کتنے ہی واقعات تھے کہ ان میں ملکوت اور جبروت کے اسرار متشکل ہوئے۔ پس انبیاء ان کی وجہ سے اس (اللہ) کی مراد پر مطلع ہوئے۔ اور اس (اللہ) نے اُن واقعات میں سے ہر واقعہ میں ایک بسترِ رکھا۔ اسے وہی جان سکتا ہے، جسے اللہ اپنے بندوں میں سے، جنہیں اس نے تاویل الاحادیث کا علم دیا۔ اور ان کے سینوں کو نئے وارد ہونے والے اور قدیم علم کے لیے کھول دیا۔ پس پاک ہے وہ ذات جو جتنا چاہے اور جسے چاہے، اپنے علم اور اپنے سامان سے عطا کرتی ہے، اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں اس کی گواہی دیتا ہوں، ایسی گواہی کہ اللہ کے بندوں پر اس کا جو حق ہے، وہ ادا ہو۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے سردار محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور آدمؑ اور ان کے بعد جو ہوئے، روزِ حشر کو جب بڑی سخت مصیبت ہوگی، ان کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

اس کے بعد بندۂ ضعیف اپنے ربِ کریم کی رحمت کا محتاج احمد مدعو بہ ولی اللہ بن عبدالرحیم اللہ اس دنیا اور آخرت میں ان دونوں کے ساتھ ہو۔ کہتا ہے، یہ چشمے ہیں جو تاویل احادیث کے علم سے پھوٹے ہیں۔ اور شاخیں ہیں جو سر المواریث کے درخت سے نکلی ہیں۔ جو انہیں جانے گا انہیں غنیمت سمجھے گا اور جو ان کے رموز حل کریگا اور ان کا انکشاف کرے گا۔ ان سے فائدہ اٹھائیگا۔ میں نے ان کا نام تاویل الاحادیث رکھا ہے تاکہ وہ اس دبیز پردے کے ذریعہ انکشاف کا عنوان بنے اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، بہت زیادہ اور بہت اچھی تعریف جس کی نہ کوئی حد ہے اور نہ وہ شمار میں آتی ہے۔

مُقدّمہ

تمہیں یہ معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ جب انسان کی زبان میں انسان پر علم نازل کرتا ہے تو علم کا یہ نزول اس کے مرتبۂ ذات سے انسانوں کی طرف تدلّی اور تجلّی کی صورت میں ہوتا ہے اور یہ نزول مجاز اور کنایت کے طریقے پر نہیں ہوتا، جو کہ عام علوم کا طریقہ ہے۔ بلکہ نزولِ علم کا یہ طریقہ "تجوزِ طبیعی"¹ کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ جب انسان کے حواس پر ایسی حالت کے علم کا جو اسے عنقریب پیش آنے والی ہو فیضان ہوتا ہے، تو اس کو افعالِ ارادی و غیر ارادی اور اجسام و حیوانات میں سے، جو کسی نہ کسی لحاظ سے اس فیضان ہونے والی اجمالی حالت سے مشابہ ہوتے ہیں، خواب دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ ایک آدمی کو اس امر کا فیضان ہوا کہ وہ بادشاہ بنے گا۔ تو یہ بادشاہت اس کو خواب میں تاج یا ہاتھی کی صورت میں تشکل پذیر ہوتی ہے۔ پس وُہ دیکھتا ہے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے اسے تاج دیا۔ یا اسے اس نے ہاتھی پر سوار کرایا۔ اب تعبیر کرنے والا اس کی یوں تاویل کرے گا کہ اس خواب سے مراد بادشاہت کا حصول ہے۔ اور تاج اور ہاتھی عبارت ہے بادشاہت سے۔ اور ایک آنے والے کا آنا اور اسے اس کا تاج پہنانا اور ہاتھی پر سوار کرانا، اس کے معنی یہ

---

¹ اس کی وضاحت ذرا آگے آتی ہے۔

ہیں کہ امر وقوع پذیر قریب ہے۔

اور یہ کہ انسانی علوم میں سے جو کہ اس کے لیے جیتی ہیں، یہ ہے کہ ہر جاننے کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ سو یقیناً "اس خواب میں آنے والے کا آنا اور اس کا اسے تاج پہنانا اور ہاتھی پر سوار کرانا اس کے لیے ایک سبب کی شکل اختیار کر گیا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی ایسی اجمالی حقیقت کی طرف انتباہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ حس کے دائرے سے باہر ہوتی ہے۔ تو وہ اس اجمالی حقیقت کا قصے یا کلام کے ذریعہ، جو مجموعی طور پر اس کے مشابہ ہوتا ہے جس کا کہ اللہ نے ارادہ کیا ہے، اسے انتباہ کرتا ہے۔ جیسا کہ سوتے وقت خواب کے ذریعہ بادشاہ بننے والے کو وہ چیزیں دکھائی گئیں۔ چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ کی سربلندی اور عظمت کی تعبیر، بادشاہوں کی رفعتِ شان اور شہر میں ان کے حکم کے چلنے سے کی جاتی ہے۔ اور اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے، بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ (بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) اسی طرح دوسری آیات متشابہات ہیں جیسے کہ اللہ کا ہنسنا وغیرہ۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتانا چاہا کہ وہ فیاض ہے، تو فیاضی کی خواب میں جو صورت ہوتی ہے یعنی ہاتھوں کا کھلا ہونا، تو اس نے ہم سے اس کے متعلق کلام فرمایا۔ اور جب اس نے ہمیں یہ بتانے کا ارادہ کیا کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تدبیر کرنے والا ہے تو اس نے عالمِ مثال میں تدبیر کی صورت کی طرف نظر کی۔ اور وہ بادشاہوں کی اپنی سلطنت میں بلندی و برتری ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے ہم سے اسی طرح کلام فرمایا۔ اس کے کلام کی بنیاد اس نوعیت کی نہیں ہوتی۔ جس کا کہ ذکر علم البیان بھی کیا جاتا ہے، اگرچہ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔ "تجوز طبعی" سے میری مراد کسی

حادثے، واقعہ منتظمہ یا کلامی کنائے کا اجمالی معنوی ستر کے ذریعہ نقل کرنا ہے۔ ان علاقوں کے ساتھ جن کا کہ طبیعت خواب میں خیال رکھتی ہے۔ جب کہ اسے کوئی اجمالی علم حاصل ہوتا ہے اور وہ اسے ایک صورت دے دیتی ہے۔

تمہیں یہ معلوم رہے کہ کاملوں کے نفوس پر جو احوال وارد ہوتے ہیں اور عالم مثال میں جو واقعات مترتب ہوتے ہیں؛ تو یہ ان نفوس کی تکمیل کے لیے ہیں۔ پس ان کا حکم خواب کا ہے۔ اسی طرح عالم میں وقوع پذیر ہونے والے سارے کے سارے حوادث خواہیں ہیں۔ اور یہ کہ ان کے اصول اور اشباح ہوتے ہیں۔

اصولوں میں سے ایک یہ ہے:

اللہ کا اپنے بندوں کے بارے میں الہامات[1]، احالات[2] اور تقریبات کے ذریعہ تدبیر[3] کا ارادہ۔ پس رحموت نظام خیر کی طرف بالذات اور حادثہ کے وجود کی طرف بالطبع

---

[1]، [2] شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ تدبیر الٰہی اس دنیا میں مختلف صورتوں میں تصرف کرتی ہے۔ انہی میں سے احالہ (تبدیلی) اور الہام والقا بھی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب احالہ کی یہ مثال دیتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ پر آگ کو خوش گوار ہوا اور ٹھنڈک سے تبدیل کر دیا" اور الہام والقاء کی یہ مثال دیتے ہیں۔ خضرؑ کو خدا نے کشتی کو چیر ڈالنے، دیوار کو سیدھا اور ہموار بنا دینے اور لڑکے کو قتل کرنے کا الہام کیا۔ یا مثلاً یہ کہ انبیائے کرام پر کتابیں اور شریعتیں نازل فرمائیں۔ اور الہام کی صورت دنیا میں کبھی اس طور پر رہی کہ کوئی شخص کسی امر میں مبتلا ہو گیا، اور ضرورت اس کی داعی ہوئی کہ الہام کے ذریعہ اس کو اس ابتلا سے نجات دی جائے۔ چنانچہ خود اسی کو الہام کیا گیا اور اس کی ضرورت پوری کر دی گئی۔

[3] عالم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات ہیں۔ ایک ابداع۔ یعنی عدم محض سے کسی (اگلے صفحہ پر)

متوجہ ہوتا ہے اور وہ اس حادثے کے لیے اپنے بندوں کو الہام، احالہ اور تقریب کا فیضان کرتا ہے۔ پس وہ عادت کے طریقوں میں سے اسے چُن لیتا ہے، جو اس وقت سب سے قریب چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ خارجی واقعہ اس صورت میں جو ظہور کے قریب ہوتی ہے اور جس کا اسے الہام ہوتا ہے، تدریجاً ظاہر ہوتا ہے، اور طبائع اور نفوس کا اس صورت کو قبول کرنا ان کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ واقعہ جو ظہور پذیر ہوتا ہے بدوہ شرح اور خواب ہے۔ اور وہ تدبیر اصل اور خواب کی تعبیر ہے۔

اس کی مثال یہ ہے: اللہ نے ارادہ کیا کہ وہ زمین میں خلیفہ بنائے۔ چنانچہ اس نے آدم کو پیدا کیا اور انہیں ایک مثالی حقیقت نے احاطہ کر لیا۔ جسے جنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس ان سے اہلِ جنت کا سا معاملہ کیا گیا[1]۔ اور ان کے زمین میں خلیفہ ہونے کا دروازہ بند ہو گیا[2]۔

پس آدم علیہ السلام کو ان کے لوحِ نفس کی صفائی کے مطابق متنبہ کرنے کے سلسلے میں تقریبات کا ظہور ہوا کہ درخت (کا پھل) کھانا ان پر حرام ہے۔ کیونکہ وہ انہیں جنت

بقیہ حاشیہ: چیز کو وجود میں لانا۔ دوسری تخلیق۔ یعنی ایک چیز سے دوسری چیز پیدا کرنا۔ اور تیسری تدبیر یعنی علم خداوندی میں جو مصالح ہیں، ان کے مطابق حوادث کا رُونما ہونا۔ ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ)

[1] مطلب یہ ہے کہ اگرچہ آدم علیہ السلام ارضی یعنی زمین سے تعلق رکھنے والے تھے لیکن اپنے کمال کی وجہ سے انھوں نے اُخروی بدن حاصل کر لیا، چنانچہ انہیں جنت میں سکونت دی گئی۔ پس اس طرح وہ مثالی جسم سے مشابہ ہو گئے۔ (تفہیمات ج ۲ ص ۱۱۸)

[2] کیونکہ کسی بھی مثالی جسم کے لیے زمین میں قرار نہیں۔ اور آدم تو مثالی جسم ہو گئے تھے (اگلے صفحہ)

سے نکالے جانے کا سبب بنے گا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کے لیے یہ انتباہ واجب کرنے والی دحی بن گیا۔ اور شیطان اپنی شری حقیقت کی بنا پر آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسے ڈالنے کی استعداد رکھتا تھا۔ اور آدم علیہ السلام کی طبیعت اس درخت (کے پھل) کو کھانے کی بھی صلاحیت رکھتی تھی۔ پس انہوں نے اسے کھایا۔ پس ان پر عتاب ہوا اور وہ جنت سے نکالے گئے۔ یہ سب خواب اور رؤیا ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے:

اس سے اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ (آدم ؑ) زمین میں خلیفہ ہوں اور اپنے نوعی کمال کو پہنچیں۔ باقی انہیں درخت (کا پھل) کھانے سے منع کرنا، پھر شیطان کا وسوسہ ڈالنا، بعد ازاں ان پر عتاب ہونا اور انہیں جنت سے نکالا جانا، تو یہ سب ان کے عالم مثال سے اس عالم ناسوت میں تدریجاً نکالے جانے کے لیے تقریب کی صورت ہے۔

اور اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک نفس اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے کمال کی استعداد رکھتا ہے جیسے کہ اس کا سِرِّ الٰہی سے متنبہ ہونا یا اس کا ملاء اعلیٰ سے اتصال دائم ہونا، یا اللہ کے رنگ میں رنگا جانا۔ پس اس نفس کے لیے اپنے اعلیٰ مقام تک پہنچنے اور اپنے کمال کے ظہور کے لیے ایک معلوم و معین نظام ہوگا۔ اور طبیعت

(بقیہ حاشیہ) اور زمین میں قرار سے ہوتا ہے جو "صاحب تخلیط" یعنی اس میں مثالی اور ارضی دونوں حیثیتیں مخلوط ہوں۔ اور یہ عالم حق ہے۔ اور جب آدم نے اس کی تمنا کی یعنی انہیں اس کا خود ذوقاً علم ہوا۔ شیطان نے اس میں مداخلت کی۔ پس "تخلیط" معصیت کی صورت میں ان کے لیے متمثل ہوئی۔ چنانچہ ان کے سینے سے یہ نکلا کہ اگر معصیت نہ ہوگی تو انہیں زمین میں قرار نہیں حاصل ہوگا۔ (تفہیمات ج ۲ ص ۱۹۱)

اور رسوم کی وجہ سے اس نفس کی لغزشیں ہوں گی یا وہ بدن کی کدورتوں سے ملوث ہوگا۔
اور نفس کی یہ لغزشیں بدن کی ان کدورتوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ چنانچہ ملاءِ اعلیٰ
سے اس کا یہ اتصال، اللہ کے رنگ میں رنگا جانا اور بعض اوقات مادیات سے
نکل جانا اس کے حواس میں یا عالمِ مثال میں ایک واقعہ کی صورت میں مترتب ہوتا
ہے۔ اور اس کی تعبیر ان امور میں سے کوئی ایک امر ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ابتدائے فطرت میں ملکوت
سے متصل، ملاءِ اعلیٰ سے مشابہ اور کدورتوں سے پاک تھے۔ چنانچہ وہ اپنی فطرت
کو برابر مکمل کرتے گئے۔ پس کبھی اس کا "شق الصدر" کی صورت میں ظہور ہوا اور کبھی
جبرئیل کے کلام کی صورت میں جب کہ وہ (جبرئیل) آسمان اور زمین کے مابین بیٹھا ہوا
ہوتا[1]۔ اور کبھی ان کو باقی تمام لوگوں کے مقابلے میں تولا جاتا اور ان کا پلڑا بھاری ہوتا۔
اور کبھی وہ معراج کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام فطرت کے اعتبار سے قوی النفس تھے پس جب
ان کی فطرت مکمل ہو گئی۔ ان کی خلقت یعنی فطرت کا ایک حادثے کی صورت میں ظہور
ہوا اور وہ تھا اُن کا ستاروں، چاند اور سورج کی طرف دیکھنا اور ان کے غروب ہونے

---

[1] اشارہ ہے بخاری کی اس حدیث کی طرف، ابنِ شہاب نے کہا کہ مجھے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے بتایا کہ جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فترۃ الوحی (وحی بند ہونے کے وقفے) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غارِ (حراء) میں آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے .... الخ

سے یہ استدلال کرنا کہ یہ سب وہ نہیں، جس نے ان (حضرت ابراہیمؑ) کو پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک غیرت مند کی غیرت کا اظہار کسی واقعہ ہی کے ضمن میں ہوتا ہے۔ پس خلق تو اصل ہے اور حادثہ اس کا شبح و قالب ہے۔

اور ان میں سے یہ بھی ہے، نفوس کی استعداد کے اعتبار سے حق کی زبانوں کا آپس میں مختلف ہونا۔ پس کبھی تو نفس خاص زبان سے سنتا ہے اور کبھی عام زبان سے اور کبھی جب کہ دعوت ایک حالت کا ارادہ کرتا ہے اور کبھی جب کہ وہ دوسری حالت کا ارادہ کرتا ہے تو سننے والے کا نفس کبھی ایک حالت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور کبھی دوسری حالت کے رنگ میں۔ پس سننے والا ہر ایک حالت میں وہی سنتا ہے، جو اس حالت کے مناسب ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس سِر کے مطابق ہو جاتا ہے۔ نفس کے قوت سے فعل میں آنے کے لیے واقعہ، امر و نہی، مواخذہ، معاتبہ (عتاب) نسخ، افتداء (فدیہ) اور عفو ہے۔

اس کی مثال یہ ہے: معراج میں پچاس نمازوں کا واجب کرنا۔ اللہ کا ایک اور جگہ ارشاد "مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ" (میرے ہاں بات نہیں تبدیل ہوتی) یہ پانچ نمازیں ہیں اور یہ پچاس نمازیں۔ پس پچاس "تجوز" کی زبان ہے اور پانچ حقیقت کی۔ اور دونوں حالتوں میں مراد ایک ہی چیز ہے، لیکن اللہ نے کسی حکمت کے ماتحت جو اسے منظور تھی، ابتداءً میں حقیقت کو چھپایا۔

اور اس کی ایک مثال یہ بھی ہے: یونس علیہ السلام نے اپنی پوری ہمت سے اپنی قوم کی ہلاکت چاہی۔ اور خدائی لعنت فاسد ہیئت کے محل تک نہ پہنچی۔ پس جب وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے اور اس سے مناجات کی، تو انہیں اس ہیئت کا انتباہ ہوا

جیسے کہ ہم میں سے کوئی خواب دیکھے اور ان کے لیے پھلوں اور برتنوں وغیرہ کے خراب ہونے کے قصے کی صورت میں خطاب متمثل ہوا اس کے بعد یونس علیہ السلام کو ہوش آیا اور انہوں نے جانا کہ اس سے مراد انہیں اس ہیئت کے بارے میں انتباہ کرنا ہے۔ جیسے کہ سوتے میں ایک آدمی کے اعضا میں سے کسی عضو کو سردی لگ رہی ہو تو وہ خواب میں یوں خیال کرتا ہے کہ وہ دریا میں غرق ہو گیا۔ یا برف اور بارش اس پر پڑ رہی ہے اور جس پر قوتِ غضبیہ غالب آجاتے اور اُسے قوتِ ملکیہ کا مقابلہ کرنے کا انتباہ ہو تو وہ خواب میں یوں خیال کرتا ہے گویا کہ شیر اس پر حملہ کر رہا ہے۔ پس یہ سب اس کے نفس کی ہیئتوں کے لیے جو اس شخص کے اندر راسخ ہیں۔ اور یہ ہیئتیں طبیعتوں کی صورتیں نقل ہیں، انتباہات ہیں۔ اور یونسؑ کو ان ہیئتوں کے ذریعہ مخاطب کیا گیا۔ تاکہ وہ ایک مثال بنے جو کہ بیان کی جائے نہ کہ وہ ایک ناموس کلّی ہو۔

اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ جب کسی تدبیر کے سلسلے میں خرقِ عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ خرقِ عادت کسی نہ کسی عادت ہی کے ضمن میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ خواہ وہ عادت ضعیف ہی ہو۔ جیسا کہ ایک شخص معمولی طور پر بیمار ہوتا ہے۔ اور جب اسے ایک طبیبِ حکیم دیکھتا ہے، تو وہ اس کی زیادہ سے زیادہ پروا نہیں کرتا اور اسے خیال نہیں ہوتا کہ وہ مر جائے گا، لیکن اس بیماری کے ضمن میں اللہ کی قضا ظاہر ہوتی ہے اور وہ شخص مر جاتا ہے۔ پس خوارقِ عادت کے ضعیف اسباب ہوتے ہیں۔ اور یہ خوارق گویا اللہ تعالیٰ کی قضا کے نفاذ ہی کے لیے وجود میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسبابِ ارضی کا جو اہتمام کیا جاتا ہے تو وہ اس لیے کہ خرقِ عادت عام نہ ہو جائے۔ قرآن و سنت میں ایسے اشارات ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں جو قصہ ہے، تو اس میں اشارہ اور معنی

ہے۔ جسے عارف بلکہ ہر منصف عقل مند جان لیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔
جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے ایک خاص زمین میں مرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو وہ
اس کے لیے اس زمین کی طرف جانے کی کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ پس اس بندے
کے لیے حاجت کا پیدا کرنا افعالِ ارادی کے نظام کی رعایت کے لیے ہے۔ تاکہ یہ نظام
نہ ٹوٹے۔

انشاء اللہ تعالیٰ ہم ہر حادثے کے بارے میں اس کی تعبیر، اس کے شبح و قالب کی وجہ
خصوصیت، اور ہر خرقِ عادت میں اس کے ضعیف اسباب کی طرف اشارہ کریں گے۔
پس تم ہمارے اشارات کا انتظار کرو اور ہمارے ہر قصے کے ذکر کرنے کے ضمن میں ان اشارات
کی تاک میں رہو۔

———•———

آدم و ادریس علیہما السّلام

ارواحِ سیّارات کی قوتیں زمین کے ایک طرف جمع ہوئیں اور امامِ نوعِ انسان[1] نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ عالمِ ناسوت[2] میں ظاہر ہو۔ اور عناصر میں اعتدال ہوا۔ اور ان میں اچھی بدبو پیدا ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان امور کے پیشِ نظر زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نوع کا کہ اس میں وسیع ارتفاقات[3] اور اخلاقِ کاملہ

---

[1] شاہ ولی اللہ کے نزدیک عالم سارے کا سارا شخص واحد ہے۔ وہ بار بار اپنے حالات کے لحاظ سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اور ہمیشہ کیفیت کے اعتبار سے حرکت کرتا رہتا ہے۔ شاہ صاحب کی اصطلاح میں اسے شخص اکبر کہا جاتا ہے اور اس کے تحت ائمہ انواع ہیں، جو اس کے اندر مندرج ہیں جیسا کہ ائمہ انواع میں سے ایک امام نوع انسان ہے اور یہ سب مثالی صورتیں ہیں۔

[2] ناسوت سے مراد یہ مشاہدے میں آنے والا اور محسوس عالم ہے۔ اصفیاء کے نزدیک موجودات کے یہ چار طبقات ہیں: لاہوت، جبروت، رحموت اور ناسوت۔ اور حکماء کے نزدیک ان کے نام یہ ہیں: انیت اُولیٰ۔ عقل، نفس اور ہیولیٰ۔

[3] ارتفاقات سے مراد اجتماعی ادارے ہیں۔ وہ ادارے جن کو انسان زندگی گزارنے کے لیے تشکیل کرتے ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہوں اور اس میں قوتِ ملکیت اور قوتِ بہیمیت دونوں جمع ہوں۔ چنانچہ دونوں سے الٰہی حالات جیسے کہ احسان اور محبت ہیں، پیدا ہوں۔ اور یہ خلیفہ اس کا مستحق ہو کر اُس پر اس کے اوپر سے شرع واجب کی جائے یہاں تک کہ وُہ بذاتہٖ عالم ہو جائے۔ اور رحموت کا ایک صحیفہ ہو جو عالم کے تمام کے تمام حقائق پر اجمالاً محیط ہے۔ پھر فرشتے ہیں کہ جو وقوع پذیر ہونے والا ہوتا ہے، اس کے بارے میں وہ الہام کے مستحق ہیں۔ اور وہ عنصری ہیں اور کارندے ہیں جو اللہ کے الہام سے عناصر میں کام کرتے ہیں۔ پس ان فرشتوں کو یہ الہام ہوا کہ اللہ خلیفہ پیدا کرنے والا ہے۔ جس میں یہ بات ہو گی۔ بیشک وہ خون بہائے گا اور زمین میں فساد کرے گا۔ پس اس پر لعنت کی جائے گی۔ اور دنیا اور آخرت میں اس کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ فرشتوں پر ایسے خلیفہ پیدا کرنے کی حکمت مشتبہ ہو گئی۔ کیونکہ وہ اتنا ہی جانتے تھے جتنا ان کو الہام کیا گیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ) حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ ارتفاقات کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر انسان کھانے پینے، جماع و مباشرت، دھوپ اور بارش سے حفاظت اور سردی سے بچنے کی غرض سے گرمی پیدا کرنے کے اسباب تلاش کرنے وغیرہ میں اپنے ابنائے جنس کا ہم نوا ہے۔ اور انسان کے حال پر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت ہے کہ اس نے ان ضروریات کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے اس کی صورتِ نوعیہ کے اقتضا کے مطابق اس کو الہاماتِ طبعیہ سے نوازا ہے . . . . اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی احتیاجات کی تحصیل اور اس کے لیے مفید تدابیر سوچنے اور احتیاجاتِ معاشرت میں سہولت و آسانی پیدا کرنے کے لیے خصوصی الہامات سے نوازا ہے۔

ارتفاقات کا وجود انہی سے ترتیب پاتا ہے۔

چنانچہ ان کے بارے میں اللہ کی حکمت اور اس کی عنایت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ وہ انہیں سکھائے جو وہ نہیں جانتے تھے۔

اولاً اللہ نے الہام اجمالی کے ذریعہ سکھایا کہ اللہ کی حکمتیں ہیں، جنہیں وہ نہیں جانتے اور ثانیاً تفصیلی واقعہ کے ذریعہ بتایا جو اس حکمت کی شرح ہے۔ پس اللہ کے اذن اور اس کے ارادے سے اس (آدم) کے لیے معتدل مادہ جمع ہو گیا۔ گویا کہ وہ مادہ اپنے طبقات کے اختلاف کے باوجود ساری کی ساری زمینیں ہیں۔ یقیناً معتدل سے اگر کوئی گرم چیز ملے تو وہ گرم ہو جاتا ہے۔ یا سرد چیز ملے تو سرد ہو جاتا ہے۔ اور معتدل اپنی قوت سے تمام طبقات کے قریب ہوتا ہے۔ غرض اس معتدل کا خمیر اٹھا اور وہ اس شے کی طرح ہو گیا۔ جس میں تعفن اور بدبو پیدا ہو گئی ہو۔ پس اس میں کیڑے پیدا ہوتے ہیں لیکن اس کا تعفن روحانیات میں سے ایک زبردست قوت کے ٹکراؤ کی وجہ سے روحانی تھا۔ گندگی کا نہ تھا جیسے کہ عورت کے پیٹ میں منی کا تعفن ہوتا ہے کہ اللہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ پس وہ زندہ ہو جاتی ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس (آدم) کو وجود میں لانے سے مقصود نوع کو پیدا کرنا تھا۔ اس لیے اس کی شخصیت پوری نوع کے حکم پر اس طرح حاوی ہو گئی گویا کہ وہ خود نوع ہے۔ اور اس کے اصل جوہر میں اس بشر کا انتباہ آ گیا۔ اور چونکہ وہ روحانیات کی ہمتوں کے اجتماع سے تھا۔ اس لیے اس کی روح میں روحانیات کا حکم آ گیا۔ چونکہ آدم کا اپنے رب سے نیا نیا معاملہ تھا۔ اور اس کے اندر عناصر اور اخلاط کا نظام ابھی مضبوط نہیں ہوا تھا؛ کچھ عرصے کے لیے اس ضرورت کے تحت اس کے ساتھ اہلِ جنت کا سلوک کیا گیا۔ پھر وہ تقریب بہم کی گئی کہ آدم خالصاً اس کا ہو جائے، جس کے لیے اس

کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔ اور اس میں اس کی جبلت کے احکام ظاہر ہوں۔ بے شک اس میں فرشتوں سے مناسبت رکھنے والی روحانیت بھی رکھی گئی کہ اس کی وجہ سے وہ الہام کا مستحق ہو۔ اور بہیمیت کی روحانیت بھی کہ غذا کی فراوانی سے جو گندے حالات پیدا ہوتے ہیں، ان سے تعلق رکھ سکے۔ پس جب اس میں فرشتوں کی روحانیت اور بہیمیت کی روحانیت جمع ہو گئی تو اس کی عقل باقی تمام حیوانوں کی عقل سے بڑھ گئی۔ اس نے عقل کو شہوت، غضب اور حاجتوں میں لگایا۔ اور اسے عجیب عجیب ارتفاقات الہام کیے گئے۔ نیز صنعتوں کے استنباط کے طریقے الہام کیے گئے۔ وہ حالتِ ملکیت میں داخل ہوا۔ اسے عبادت اور پاکیزگی کی مختلف انواع الہام کی گئیں۔ پس اس نے ان سب میں اپنی اولاد کے لیے عجیب عجیب طریقے وضع کیے۔ چنانچہ اسے ان تین اصولوں کے مطابق واقعات پیش آئے۔

ان میں سے ایک یہ کہ عنصری اور کارندے ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ بنفسہٖ آدم کو سجدہ کریں اور ملاءِ اعلیٰ کے ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ اپنے اشباح اور قالبوں سے انہیں سجدہ کریں۔ تو وہ سب سجدہ کرنے والوں کی صورت میں تمثل پذیر ہو گئے جیسے کہ جبرئیل ایک اعرابی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں سوال کرتے ہوئے متمثل ہوئے تھے۔ اور جبرئیل کا آپ سے سوال کرنا خود جاننے کے لیے تھا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے پاس جبرئیل تمہیں تمہارے دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔ غرض تمام کے تمام فرشتوں نے اس تفصیل کے ساتھ آدم کو سجدہ کیا۔

مختصراً فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا ایک دقیق راز کا حامل ہے۔ اور وہ یہ کہ بنی آدم

کے جو فرشتے کام کرتے ہیں، تو وہ اس طرح بے شک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں وہ بنی آدم کے لیے دُعا کرتے ہیں۔ اور ان کے بارے میں باہم ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں۔ پس آدم اور اُس کی اولاد فرشتوں کی عبادات کا قبلہ ہیں۔ چنانچہ یہ راز ایک واقعہ کی صورت میں متمثل ہُوا۔ اور فرشتوں پر سجدہ واجب کرنے کی وحی ہوئی۔ اور ان میں ابلیس بھی تھا۔ اس کی دراصل جبلت ہی میں حسد، جھگڑالو پن اور تکبر تھا۔ لیکن اس وقت تک اُسے کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا کہ اس کی ان بُری خصلتوں کا اس کے ذریعہ اظہار ہوتا۔ اور اس کی اصل جبلت میں حقیقت شرّی اور خزانۂ شر کی طرف راہ تھی لیکن اس پر فرشتوں کا اثر غالب آگیا تھا۔ اور وہ ان کی صفوں میں داخل ہو گیا تھا۔

چنانچہ جب اسے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی پس اللہ نے اس پر بڑی لعنت کی اور اس کی خطا نے اسے گھیر لیا۔ اور وہ اس طرح ہو گیا گویا کہ وہ مسخ شدہ ہے۔ اور وہ سرتاسر شر کا ہو گیا۔

اور ان میں سے ایک یہ کہ آدم علیہ السلام کا ارواح کی قوتوں اور ملاء اعلیٰ کے تخیلات نے احاطہ کر لیا۔ اور عرش کا تخیل ان کی طرف متوجہ ہُوا۔ پس وہ جنت میں داخل ہو گئے۔ حالاں کہ وہ زمین میں اپنی جگہ پر تھے۔ اور ان پر جنت کے احکام کا اجرا بھی ہو گیا۔ آدم میں شہوانی طبیعت تھی۔ چنانچہ انہیں اپنی جنس کی مادہ کی طرف قوی اشتیاق ہُوا۔ اور بڑی سرعت سے مادہ کی صورت ان کے تخیل میں آ گئی۔ پس یہ مادہ (حضرت حوا) ان کے تخیل سے وجود میں آئی۔

پھر اللہ نے ایسی تقریب بہم کی کہ وہ خالصاً اسی کے ہو جائیں، جس کے لیے اللہ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ پس اللہ نے شہوانی اور حرص کی طبیعت کو کہا کہ تمہیں خزانۂ

نشتر نے جو الہام کیا ہے، اسے حرکت میں لا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ پس یہاں اسے اشتباہ، علم حق کو باطل سے گڈمڈ کرنا اور دل کی سختی جو حق کے ادراک میں جیسے کہ وہ ہے، مانع ہوتی ہے، ملی۔ پس حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس عنایت کی زبان سے، جو اس وقت کے لیے مختص تھی، جب کہ وہ ابھی جنت میں نہیں تھے، حکم دیا گیا تھا کہ درخت (کے پھل) کا کھانا ان کے لیے ممنوع ہے۔ اور وہ انہیں جنت سے نکالے جانے کا باعث ہو گا۔ اور ان کو تکلیف، بھوک اور پیاس تک پہنچائے گا۔ اس کے علاوہ ان کو ایک اور علم حق کا بھی الہام ہوا تھا کہ ان کا اس درخت (کے پھل) کو کھانا دوام اور ہمیشگی یعنی ان کی نوع کے بقا، اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کے ارادے کے ظہور کا سبب ہو گا۔

پس یہ دونوں علم طبیعت پر نازل ہوئے اور آدم علیہ السلام پر معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ اور وہ حیران و متردد ہوئے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حیرانی اور تردد کو نسیان (یعنی آدم بھول گئے تھے) کے کنائے میں بیان کیا ہے۔ پھر ان کے سینے میں شہوانی خواہش اُبھری۔ پس انہوں نے درخت (کے پھل) کو کھا لیا۔ یہ علم حق تھا جو باطل سے مخلوط ہو گیا۔ اور یہ وہ سختی تھی جو حق کے ادراک میں مانع آئی۔ اور یہ تھا الہام کا صحیح طرح ظاہر نہ ہونا۔ پس آدم علیہ السلام نے یہ گمان کیا تھا کہ انہیں جو خلد یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا الہام کیا گیا ہے، تو اس کا مطلب جنت میں رہنا ہے۔ اس علم کا باطل سے مخلوط ہونا شیطانی وسوسہ تھا۔ نیز یہ تقریب تھی اللہ تعالیٰ کا ازل میں جو ارادہ تھا، اس کے پورا ہونے کی۔ چنانچہ آدم میں طبیعی احکام کا ظہور ہوا۔ عناصر اور اخلاط کا نظام ان پر غالب آیا۔ اور ان سے صفتیں زائل ہو گئیں۔ حمایت ملکی

ان سے پوشیدہ ہوگئی اور عنایت طبیعی کا ظہور ہوا۔ پھر آدم علیہ السلام سے کہا گیا جب تمہاری اولاد پر طبیعت غالب آئے گی۔ اور وہ الہامِ حق کے لیے آمادہ نہ رہیں گے تو اللہ کی بخشش اور اس کی حکمت کے تحت یہ واجب کر دیا گیا ہے کہ وہ ان کے لیے انہی میں سے رسول بھیجے۔ پس جس نے ہدایت کی پیروی کی پس نہ تو ان کے لیے خوف ہے اور نہ وہ غم کریں اور جس نے کفر کیا، پس وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ اس کے بعد آدم پر شدید عتاب ہوا۔

اس کا راز ہے رُوح ملکی اور طبیعت کا باہمی اختلاف اور ہر لحاظ سے روحِ ملکی کا طبیعت کا احاطہ کرنا۔ پھر اللہ کی طرف بڑی التجا کرنا۔ پس طبیعت کا احکامِ روحانیہ کی طرف ہدایت پانا۔ گویا کہ اس وقت طبیعت اور روح سب نے اسی کا حکم دیا تھا۔ اس کی مثال سالک کی ہے کہ وہ اللہ کی طرف تجرد اختیار کرتا ہے اور وہ اونچا ہوتا ہے۔ پھر وہ حق کے ساتھ خلقت میں راہِ ہدایت پر چلتا ہے اور نیچے گرتا ہے۔ اور وہ یہ بھی ہے کہ اس پر ایک وقت میں جب رُوح طبیعت کی کدورتوں سے پاک تھی، فیضان ہوا ارتفاقات کے علم کا، ان حاجات کا جو بنی نوعِ انسان کو پیش آتی ہیں، اُن آلات کا جن سے انسان کام لیتا ہے، آوازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے علم کا اور اس علم کا کہ ہر شے کے لیے کیا لفظ ہو۔ پس اس نے حقیقت کو دیکھا کہ وہ ہر شے کی طرف ملتفت ہے۔ اللہ نے وہ سب اشیاء، جیسا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو خیال میں بنائی تھی، عالمِ مثال میں اس کے لیے ظاہر کر دیں۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے ان اشیاء ان کے ناموں اور ان سے کام لینے کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا۔ پس وہ نہیں جانتے تھے کیونکہ ان کی جبلت میں شہوت، غضب اور حاجات میں جلنے والی عقل سے ان چیزوں کے استنباط

کرنے کی استعداد نہیں تھی۔ چنانچہ اس طرح زمین میں آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی حکمت ظاہر ہوئی۔ اور فرشتے جن چیزوں سے ناواقف تھے، انہیں ان کی تعلیم دے کر نعمت کا اتمام ہوا۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ دنوں میں سے ایک دن آدم علیہ السلام کو سب طرف سے فراغت پانے کے بعد اس کا علم ہوا کہ وہ سب انسانوں کی، وہ اپنی مختلف استعدادوں کی بنا پر صالح ہوں یا غیر صالح، نشوونما کے مصدر اور منبع ہیں۔ چنانچہ ان سب کی صورتوں کا آدم علیہ السلام کی تکمیل ذات اور خود ان انسانوں کے مثالی وجود کے وقوع پذیر ہونے کی وضاحت کے لیے عالم مثال میں فیضان کیا گیا۔ اور اللہ نے ان سے سوال کیا۔ "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) تو ان کا جواب تھا "قَالُوْا بَلٰی" (انہوں نے کہا۔ ہاں بے شک) انہوں نے یہ جواب فطرت کی زبان سے دیا تھا۔ قبل اس کے کہ طبیعت کی ملاوٹ سے ان میں لکنت ہوتی۔ چنانچہ انسانوں کا اس واقعہ کی وجہ سے مواخذہ ہوگا اور وہ اس لیے کہ یہ ان کی اصل فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ پس یہ واقعہ فطرت کی ایک صورت ہے جیسے کہ ایک شے جو خواب میں دیکھی جاتی ہے، وہ اس شے کی صورت ہوتی ہے۔ ملاء اعلیٰ کے مدارک میں اور پھر بنی آدم کے مدارک میں جو علوم نازل ہوئے ہیں، ان میں یہ مواخذہ فطرت کی طرف منسوب کیا گیا۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو ارتفاق اوّل میں سے کچھ کرنے کا الہام ہوا۔ پس اس نے کاشت کرنا، فصل کاٹنا اور اس کا سمیٹنا، حیوانوں کو مسخر کرنا اور کھانوں کا پکانا شروع کر دیا۔ اس نے زبان کا استنباط کیا۔ اور کلام کے اسلوب

وغیرہ کی طرف اس کی رہنمائی ہوئی۔ اس نے نسل و تناسل کا اہتمام کیا اور عبادات کے طریقے وضع کیے۔

ابتدائے امر میں ادریس علیہ السلام آدم علیہ السلام کے گروہ میں سے تھے اور وہ وہبی اور جبلی علومِ انسانی میں انہیں کے نقش قدم پہ چلتے تھے۔ اور اس وقت ان کا کمال سب سے ہٹ کر صورتِ انسانیہ کے احکام کی طرف ہو جانا تھا۔ پھر انہوں نے اس وجہ سے حکمتِ انسلاخیہ کی طرف ترقی کی۔ اور وہ اس وجود کے احکام کے، جو موجودات کی صورتوں اور شخصوں پر پھیلا ہوا ہے، ہو گئے۔ پھر انہوں نے نقطۂ لاہوت کی طرف ترقی کی۔ پھر وہ طبیعی، الہیاتی، ستاروں، طب اور ارتفاقات کے علوم کی طرف آئے۔ اور یہ اس لیے کہ وہ ہاتھ سے اور وہم و خیال سے کام لینے والے تھے۔ پس ان سے بہت سے علوم کا ظہور ہوا اور ان علوم میں عنایتِ الٰہی برسرِ کار آئی۔ چنانچہ وہ زمانوں کے پلٹنے اور رنگوں کے تغیر و تبدل کے باوجود محفوظ ہے۔ جب کبھی ایک زمانے کے لوگ ختم ہو جاتے تو ان کی جگہ دوسرے لوگ لے لیتے اور جب کبھی ایک رنگ خراب ہوتا، دوسرا رنگ آموجود ہوتا۔ پھر ان علوم کو برکت دی گئی۔ پس مجوسی اور حنیفی ملت وجود میں آئی۔ اور طب، دعوت و ارشاد اور ستاروں کے علوم مرتب ہوئے۔ اور اس وقت یہ سب علوم برحق تھے۔ اگرچہ آج ان میں حق کے ساتھ باطل اور ثابت و اصل کے ساتھ تحریف شدہ ملا ہوا ہے۔ پھر ادریس علیہ السلام نے اور ترقی کی۔ پس وہ طبیعت کو تابو میں کر کے اور اس کے اقتضاء سے نکل کر ہیئتِ ملکیہ کے خالص ہو گئے۔ اور جنت نے ان کا احاطہ کر لیا۔ اور وہ بلند مرتبہ پر پہنچ گئے۔

نوحؑ اور اُن کے مُتّبِعین

حضرت نوحؑ کے احوال کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اس نعمت آمد قوتِ حیوانیہ کے مالک تھے کہ گویا وہ قوت روح کے پھیرے کے لیے اس کے کمال تک پہنچنے میں ایک حجاب تھی۔ اِسی طرح حضرت نوحؑ جن کی طرف مبعوث ہوئے، ان کی اکثریت کی قوت حیوانیہ بھی نعمت آور تھی۔ چنانچہ ان کے لیے جو شریعت وجود میں آئی، وہ بھی قوتِ حیوانیہ پر غالب آکر انسانیت کو بیدار کرنے والی تھی، جیسے نماز، روزہ اور دوسری عبادتوں کی کثرت و دوام۔ اس قوم کا میلان چونکہ قوتِ بہیمیہ سے مناسبت رکھنے والی چیزوں کی طرف تھا، اس لیے انھوں نے حکمتِ منزلی و اکتسابی کی باریکیاں اور نکات زیادہ مستنبط نہ کیے۔ اسی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام پر ان امور کے متعلق گہرے اور عمیق علوم نازل نہ ہوئے۔ وہ وہم اور خیال کے معاملات میں سکونِ نفس کے حامل تھے۔ اسی لیے آپ نے علومِ ادریسیہ کی طرف سر اٹھا کر نہ دیکھا۔

حضرت نوحؑ کی قوم فاسق اور فاجر تھی۔ انھوں نے ارتفاقات اور باہمی معاشرت و معیشت کے امور کو بگاڑ دیا۔ اور ان کا اللہ کی طرف جانے کا راستہ بند ہوگیا۔ وہ انسانیت کی حقیقت سے خارج ہوگئے۔ اگرچہ ان کی صورتیں انسانوں کی سی تھیں۔ اس پر ان کے خلاف

ملاءِ اعلیٰ میں غضب انعقاد پذیر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نظرِ عتاب فرمائی۔ اور ان کو ملعون قرار دیا۔ وہ ان سے سخت ناراض ہوا اور ان کی ہلاکت کا فیصلہ کیا لیکن ہلاکت سے پہلے، ان کو ڈرانا اور حق کی راہ دکھانا اللہ کی حکمت میں ضروری تھا اس لیے کہ حق کی مختلف زبانیں اور بہت سی عنایات ہیں۔ اگر وہ ایک قوم سے ایک زبان میں ناراض ہوتا ہے تو دوسری زبان میں ان پر اپنی عنایت کبھی نہیں چھوڑتا۔

جب کہ مخلوق کے جملہ انواع کا ختم کرنا ایک شرِ عظیم کی حیثیت رکھتا تھا اور یہ اللہ کو بالکل پسند نہ تھا۔ اسی طرح فنا کرکے پھر از سرِ نو ایجاد کرنا بھی ٹھیک نہ تھا۔ اور نہ ابھی اعتدال کے متقاضی سماوی اور ارضی اسباب بھی جمع نہ ہوئے تھے اور دنیا کو بالکل فنا اور ناپید کرنا عنایتِ الٰہی کے بھی خلاف تھا۔ اس لیے اللہ کے ارادے اور عنایت نے ضروری سمجھا کہ مخلوق کے اصل انواع کے بقا کے لیے ایک تقریب کا انتظام ہو۔ چنانچہ اس نے حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کی صنعت کا الہام فرمایا اور یہ بھی الہام کیا کہ اس کشتی میں ہر نوع کا ایک ایک جوڑا، نر اور مادہ نیز وہ درخت کہ از خود نہیں اگتا تھا اس کا بیج جمع کیا جائے، پھر اللہ نے اپنا کام پورا کیا، اور تدبیرِ الٰہی جو کہ جو یا فضا کے واقعات میں سے ایک ایسے واقعے کی منتظر تھی، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے۔ آخر سماوی اور ارضی اسباب پانی کا ایک عام طوفان لانے پر جمع ہو گئے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ جاری فرمایا۔ اور کوئی بھی عظیم واقعہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب بہت سی عنایات اس کا تقاضا کرتی ہیں۔ جیسے طبائعِ ارضی کی عنایت، احکامِ فلکی کی عنایت، صُوَرِ الٰہیہ کی عنایت اور لوگوں پر مقرر کی ہوئی شرائع کی عنایت۔ جس کو علم سے ایک مختصر حصہ حاصل ہوتا ہے تو وہ ان عنایات میں سے صرف ایک عنایت کو دیکھتا

ہے اور باقی عنایات کو بھول جاتا ہے، پھر اگر کوئی اس واقعے کو دوسری عنایت کی طرف نسبت کرتا ہے تو وہ کم علم آدمی اس کو جھوٹا کہتا ہے (لیکن) علم کامل اور پوری معرفت ان سب عنایات کو جمع کر لیتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے جمیع علوم اور احوال ان مذکورہ عنایات سے بنتے، چنانچہ اللہ نے ان کو آدم ثانی بنایا۔ اور وہ ان سب رسل میں سے پہلے رسول ہیں۔ جن کو عنایتِ الٰہی کا خادم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور یہ کام ان کے ذمے لگائے گئے۔ لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرانا، شریعتوں پر عمل کرنے کا امر کرنا، کافروں سے جھگڑنا اور اس چیز کے لیے تدبیر کرنا، جس کا اقتضا عنایت کرے۔

ان سب امور میں انبیاء علیہم السلام کا طریقہ حضرت نوح پر ختم ہوتا ہے۔ اور حضرت نوح کی امت پہلی امت ہے جو (لوگوں کی ہدایت کے لیے) مبعوث کی گئی تھی جب حضرت نوح کے قلب میں بنی آدم کے بقاء کی تدبیر الہام ہوئی تو اس میں علوم ارتفاقات بھی آ گئے، جن کی انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی۔ اور کچھ فتنوں کا علم بھی تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا اور اسی طرح توحید، عبادات اور طبیعتِ بہیمیہ کو ملکیت کے تحت مغلوب کرنے کے کچھ علوم بھی انہیں عنایت ہوئے۔

حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ

ان دونوں نبیوں کے ذاتی احوال، دونوں کی قوم کا کفر اور فسق میں رہنے کا حال، ان پر ملاء اعلیٰ کا غضب ناک ہونا، ان کی ہلاکت کا فیصلہ کرنا اور انسانِ الٰہی کے ساتھ حق تعالیٰ کی یہ عنایت کہ وہ ان کو عذاب سے ڈرا گئے، اور ان میں سے ایمان والوں کی نجات اور خلاصی کے لیے کوئی حیلہ کرے۔ (ان تمام باتوں میں) حضرت نوح علیہ السلام کے قصے سے ملتا جلتا ہے۔

یہ دونوں انبیاء (خدا کی طرف سے) ڈرانے والے تھے، ان دونوں کے دل میں مومنین کی نجات کا حیلہ الہام کیا گیا تھا اور دونوں کو عبادت کے لیے طریقے دیئے گئے تھے۔ جو طبیعت کے (جوش کو) فرو کرنے والے تھے۔

قوم عاد کا مسکن ریت کے ٹیلے اور صحرا تھا۔ ان کے ملک کی آب و ہوا خشکی اور گرمی کی طرف مائل تھی، ان کے حق میں عذاب کی جملہ قسموں میں سے ہوائی طوفان بہت قریب تھا۔ چنانچہ ایک زمانے تک ان پر برسات بند ہو گئی اور ان کے چارپائے ہلاک ہو گئے۔ تب انہوں نے اللہ کے حضور میں عاجزی کی اور اس سے ان کی قدرتِ ملکیہ کو تنبیہ ہوا۔ اس لیے وہ اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے پکڑے گئے۔ اگر وہ بہائم کی طرح

لبے سمجھ) ہو جاتے تو ان پر (اتنا) جلدی عذاب نہ آتا۔ کیوں کہ (ان کے لیے) عنایتِ ملکیہ کا ظہور ہوا تھا۔ اور انہوں نے اس مَلکی عنایت کے احکام کو توڑ ڈالا۔ اس لیے وہ (ملاء اعلیٰ کی نظر میں) ملعون بن گئے۔ (اب صرف عذاب کی دیر تھی۔) جب انہوں نے ابر کو یعنی مادہ مجتمع کرادہ پر دیکھا تو اس کو برسنے والا بادل خیال کیا۔ حالانکہ وہ اللہ کا عذاب تھا۔ جس کے لیے وہ جلدی کرتے تھے۔ پھر اس نے ایک تند و تیز ہوائی طوفان کی شکل اختیار کی۔

چونکہ قوم ثمود کے رہنے کی جگہ پہاڑ اور ان کے غار تھے۔ اس لیے ان کے حق میں عذاب کی بہت قریب صورت زلزلے اور سخت آواز تھی۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے ہلاک ہونے کی دُعا کی۔ حالاں کہ ان لوگوں کی ہلاکت کا وقت نہیں آیا تھا۔ تب حضرت صالحؑ کے نفس نے ہلاکت کی ہیئت حاصل کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی نظر بھی ان کی حاصل کی ہوئی ہیئت کے ساتھ مل گئی۔ اور ان پر موت اور نیند کے درمیان کی حالت طاری ہوئی۔ جس طرح اصحابِ کہف پر طاری ہوئی تھی۔ پھر ان کو اٹھایا گیا۔

جاننا چاہیئے کہ عالم ملکوت میں جو بھی شر ہوتا ہے، وہ کسی نہ کسی حیوان کی صورت کے ساتھ متمثل ہوتا ہے۔ کیونکہ شر کو حیوانات کے ساتھ جبلّی مناسبت ہوتی ہے۔ سب سے آخری شر انسان کی صورت اختیار کرے گا جسے دجال کہا جاتا ہے، اور (اس کے بعد دنیا کی) عام ہلاکت اور بربادی قریب آ جائے گی۔

آخر اس قوم کا شر حضرت صالح علیہ السلام کی بد دُعا سے ایک اونٹنی کی شکل میں[1]

---

[1] وہ اونٹنی جو کہ حضرت صالحؑ کے معجزے سے قوم ثمود کے لیے ظاہر ہوئی تھی۔ اس کا دا (اگلے صفحہ پر)

نمودار ہوا۔ جب انہوں نے اس اونٹنی کو قتل کیا تو شر چلا گیا اور طوفان آ گیا۔ اسی طرح جب دجال کو قتل کیا جائے گا[1] تو شر چلا جائے گا۔ اور قیامت کبریٰ قائم ہو جائے گی طوفان

(بقیہ حاشیہ) مادہ اس قوم کی برائیاں تھیں۔ ان برائیوں نے قوم ثمود کے مطالبے پر اونٹنی کی شکل اختیار کی تھی۔ جب قوم ثمود نے اس کو قتل کیا تو اونٹنی کے جسم کی وجہ سے اس میں جو تقید اور تشخص پایا جاتا تھا، وہ ختم ہو گیا اور اب اس کو عموم مل گیا۔ اور فساد عام ہو گیا ـــــ یہ حاشیہ شاہ ولی اللہ صاحب کے خاص تلمیذ مولانا محمد عاشق کے حاشیہ الخیر الکثیر سے لیا گیا ہے۔ (قاسمی)

[1] جاننا چاہیئے کہ دجال کے وجود کا مادہ اور اس کے جسم کے اصلی عناصر قوم نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب اور دوسرے انبیاء کے اقوام کی برائیاں ہیں جو کہ عام صحیفے میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے مخصوص صحیفے میں جو عذاب مقدر تھا، وہ اگرچہ قوموں کی عذاب کی صورت میں داس دنیا کے اندر نمودار ہوا، لیکن وہ برائی جو بذات خود شدید ہے، وہ اپنے ظہور کے بعد دنیا میں بھی باقی رہے گی۔ اس لیے وہ آخرت میں بھی عذاب کا باعث بنے گی۔ خاص طور پر اس حالت میں کہ مخصوص صحیفے میں راسخ ہونے کے بعد صحیفۂ عالم میں بھی اگر وہ (برائی) راسخ ہو گئی ہو۔

بعد ازاں بنی اسرائیل کی برائیاں بہت ہو گئیں اور وہ ان سے لاحق ہوئیں۔ لیکن ان برائیوں کا (عذاب کی شکل میں) کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ کیوں کہ بنی اسرائیل کے اندر ایسے انبیاء موجود تھے۔ جو کہ اللہ کے مطلق اسم کے مظہر تھے۔ اور ان کی دیکھ بھال کرنے والے لوگ موجود تھے۔ اس لیے ان کی برکت کی وجہ سے برائیاں عذاب کی صورت میں نمودار نہ ہوئیں۔ اور ان میں جو برائیاں جمع ہوتی رہتی تھیں، وہ پورے طور پر ایک وحدت بن گئیں۔ تب ان شرور اور برائیوں پر خدا کی طرف سے انسانی ہیئت اور صورت کا فیضان ہوا۔ کیوں کہ جو بھی چیز کثرت سے وحدت اختیار کرتی ہے تو اپنی یگانگت اور توحد کی وجہ سے مفیض جواد کی طرف اس کو راستہ مل جاتا ہے۔ (اگلے صفحہ پر)

سے ایک قوم کی بربادی ہوتی - اور قیامت سے عالم تباہی ہوگی۔

(بقیہ حاشیہ) عادت اللہ یہ رہی ہے کہ ہر مادہ جب کسی محدود وزن تک پہنچتا ہے تو وہ اپنے لیے (جواد مطلق سے) ہیئت اور شکل کی طلب اور تقاضا کرتا ہے۔ شرور پر شکل اور ہیئت کے افاضے اور عطا کی مثال ایسی ہے جیسے کیڑوں کی صورت کا افاضہ نجاست اور گندگیوں پر ہوتا ہے جب وہ گندگی کے سب سے آخری درجے پر پہنچ جاتی ہیں۔

انسانی برائیوں کا انسانی شکل میں متشکل ہونے کا راز یہ ہے کہ اس صورت کو اس دنیا میں اس شے کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے جو کلیت اور اطلاق کا رتبہ رکھتی ہو۔ اسی کی طرف پیغمبر علیہ السلام کے اس قول میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور اس صورت میں بھی ایک قسم کا عموم ہے۔ اسی لیے انسان کو قوی متین سے غفلت اور انسلاخ بھی لاحق ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان ذخیر کثیر کے (نویں خزانے میں آئے گا۔ اور وہ شر جب ایک قوی انسان کی شکل اختیار کرے گا۔ تو اس کے بعد بھی برائیاں اس کو لاحق ہو جائیں گی؛ جس طرح جزئی، کلی کو لاحق ہوتی ہے۔ یا غذا مغتذی کو۔ پھر جب وہ شخص مرے گا۔ اور جسمانی تشخص سے آزاد ہو کر روح بنے گا تو سارے عالم کی تباہی ہو گی۔ اور یہی قیامت ہے (مولانا محمد عاشق قدس اللہ سرہ (تلمیذ شاہ ولی اللہ) کی خیر کثیر پر تقریر سے یہ حاشیہ منقول ہے)

ابراہیمؑ و آلہ

حضرت ابراہیمؑ کے قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا فطرت کی طرف شدید میلان تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی اخلاق کے ظہور کے معاملے میں انسانی افراد مختلف ہوتے ہیں:

۱۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہوتے ہیں، جن میں شجاعت اور بہادری بالکل مفقود ہوتی ہے۔

۲۔ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں، جن میں ضعیف سی شجاعت ہوتی ہے، جو بہت بڑی ریاضت سے نہایت تھوڑی اور نہ ہونے کے برابر ظاہر ہوتی ہے۔

۳۔ کچھ لوگ اوسط درجے کی شجاعت رکھتے ہیں، وہ تب ظاہر ہوتی ہے۔ جب بہادری کی طرف اس کو بلایا جائے، اور یہ شجاعت اس وقت قوت پکڑتی ہے جب افعال میں ممارست اور ریاضت، کے مناسب اقوال سے ترغیب دی جائے اور اس کے ساتھ بہادری کے مواقع سے اس کا واسطہ پڑے۔

۴۔ کچھ لوگ بڑے بہادر ہوتے ہیں۔ اگر ان کو بہادری کے کام سے جیسا کہ خطرات میں آگے بڑھنا، رکھا جائے یا غیرت کے مواقع پر ان کو غیرت سے روکا جائے تو بڑی کوشش کے بعد ہی رک سکتے ہیں۔ اور یہ روکنا ان پر نہایت گراں گزرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ بہادری کے خیالات

سے خالی نہیں ہوتے اور وہ جس وقت بہادری کا موقع پاتے ہیں یا اس کی طرف ان کو بلایا جاتا ہے (تو پہنچنے میں دیر نہیں کرتے) جیسے کہ گندھک کو آگ لگ جائے اور اس کے جلنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

۵۔ کچھ لوگ ایسے اعلیٰ درجے کے بہادر ہوتے ہیں، جن کو بہادری کے مواقع سے روکنا ناممکن ہے بلکہ وہ ایسے مواقع کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اگر اس کے خلاف اُن کو کوئی بلائے بھی تو اس کی بات نہیں سنتے۔ بزدلی کی بات کا ان کے دل میں گزر ہی نہیں ہوتا۔ اس آخری قسم کے بہادر انسان کو امام شجاعت (بہادری کا پیشوا) کہا جاتا ہے۔ یہ کسی دوسرے امام کی طرف محتاج نہیں ہوتا، بلکہ جو لوگ اس سے کم درجے کے ہیں، ان پر واجب ہے کہ اس کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اس کے رسوم کو مضبوط پکڑ لیں اور اس کے واقعات کو یاد رکھیں۔ تاکہ یہ ان کے لیے بہادری میں ایک دستور کا کام دے۔ اگر وہ اس کی پیروی نہ کریں گے تو بہادری کی راہ سے بھٹک جائیں گے اور ان کی حسب استعداد بہادری کا جذبہ بھی ان میں کم ہوتا جائے گا۔

اس طریقے کو جو لوگ اختیار کرنے والے ہیں، ان کے بہت سے گروہ ہیں:—

ان میں سے ایک سابق ہے اور یہ وہ ہے کہ اس کے پیشوا کا قول اس کے دل میں اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ اس کے راوی سے وہ اس کو زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔ ایک قسم مقتصد یعنی درمیانہ چلنے والے کی ہے اور ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہو۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح انسانی افراد شجاعت اور بہادری میں مختلف ہوتے ہیں اسی

طرح وہ فطرت میں (بھی) مختلف ہیں۔

(۱) ایک وہ جو فطرت کا امام ہوتا ہے۔ وہ عبادت جیسے کاموں کی طرف اس طرح ٹوٹ پڑتا ہے کہ اس کو اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے سے کوئی رسم ورواج یا دوسری کوئی روکنے والی چیز نہیں روک سکتی۔ کسی کی تقلید یا کسی سے روایت کیے بغیر عبادات کو بجا لانا اور اس کے احوال کو قبول کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔

اس کی (واضح) مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس وصف میں آپؑ اتم اور اکمل تھے۔ آپ سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی آپ کی طرح اس خُلق کی طرف نہیں گیا۔ اس خُلق کے موافق آپ پر علوم الٰہیہ کا ترشح ہوتا تھا۔ آپ کا قلب اس خُلق کا مطیع تھا۔ اس لیے ملاء اعلیٰ میں داخل ہو کر ان سے پرتوِ نور حاصل کرکے آپؑ کے لیے رحمت کی طرف توجہ کرنا آسان تھا، اسی لیے آپ کو امام بنایا گیا۔ اور بعد کے آنے والے (جملہ انبیاء علیہم السلام کو آپؑ کی ملت کی پیروی کرنے کا حکم ہوا۔

(۲) کچھ لوگ قوی فطرت ہوتے ہیں۔ اجمالی طور پر فطرت کی طرف اس طرح مائل ہوتے ہیں۔ کہ اگر ان کو فطرت کی طرف رہنمائی کرنے والا امام نہ ملے۔ تب بھی فطرت کی مخالفت کے لیے تیار نہیں ہوتے، لیکن ان کے دل میں ایک گونہ اضطراب ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو فطرت کا پیشوا مل جاتے تو اس امام کی بات اس کے دل میں بیٹھ جائے گی اور وہ اپنے امام کے قول کا مطلب سمجھ لے گا۔ وہ مجبور ہوگا کہ اپنے پیشوا کے قوانین کو ضبط کرے۔ اس کے اجمال کی شرح کرے اور اس کے مذہب کی اشاعت کرے، جس طرح حضرت ابراہیمؑ سے بعد کے آنے

والے انبیاء علیہم السلام نے حضرت ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی کی اور اس کی شرح کی اور لوگوں کو اس کی طرف بلایا۔

(۳) تیسرا گروہ وہ ہے کہ اگر وہ فطرت کے امام کو نہ پائیں، تو راہِ راست پر نہ آئیں۔ اور جب ایسے پیشوا کو پائیں تو اس سے خوب نفع اٹھائیں، جیسے پہلی امتیں تھیں۔

(۴) کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ فطرت کی طرف لگاتار دعوت اور بلانے کے بغیر اس کی طرف خود نہیں جاتے۔ ایسے لوگ (دعوت و تبلیغ سے) تھوڑا سا نفع پا لیتے ہیں۔

(۵) بعض لوگ (فطرت کے) شدید منکر اور مخالف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دل اور کانوں پر اللہ مُہر لگا دیتا اور ان کے آگے اور پیچھے دیوار کھینچ دیتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوت (اور جوانی) کو پہنچے تو اللہ تعالےٰ نے ان کو حکمت عطا کی، اور ان پر اُن کی جبلت منکشف ہوئی۔ پس جب انہوں نے ستارہ چاند اور سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا۔ تو اس سے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ جس پروردگار نے ان کو پیدا کیا ہے، وہی ان کی تربیت کرتا ہے۔ اور (حق کی) راہ دکھاتا ہے وہ جسمانی احکام سے مبرا اور انسانی (عوارض) سے بلند ہے۔ (اس نظریہ کے بعد) آپؑ پر ایک عظیم حالت طاری ہوئی اور آپؑ پر حق منکشف ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کی عبادت کے معاملے میں بڑے غیرت والے تھے۔ چنانچہ انھوں نے بتوں کو توڑ ڈالا۔ (اس پر) آپؑ کو آگ میں ڈالا گیا، لیکن آپ (اللہ تعالیٰ کے) پسندیدہ بندے تھے۔ اور اللہ خلق میں آپؑ کی بقا چاہتا تھا۔ پس اللہ نے

لہ سورۃ انعام کی آیت نمبر ۷۵ سے ۷۹ تک میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

آگ کے مادے پر ایک دم ہوا کے ذریعے ایک ٹھنڈی ہیئت ڈال دی۔ اور یہ سرد ہوا ٹھنڈے طبقے (زمہریر) سے آئی کہ جس نے شدید برودت کو اُٹھا رکھا تھا۔ اس نے آگ کو بدل دیا۔ اور ان دونوں کے تصادم سے ایک اچھی ہوا پیدا ہو گئی۔

بعدازاں آپؑ فاجر اور اللہ کے دین میں جھگڑنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے سخت تنگ آ گئے۔ تو آپؑ نے اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کی۔ یعنی ایسی زمین کی طرف ہجرت کر گئے جہاں ان کے لیے اپنے پروردگار کی عبادت ممکن ہو سکے۔ راستے میں ایک جبّار اور سرکش آپ کے آڑے آیا۔ اور وہ آپ پر آپ کی بیوی کے معاملے میں ظلم کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے بڑی ہمت اور سعی سے اللہ کے حضور میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو وحی کی کہ بدن میں ہوا کے پھیلنے کی جگہ سے اس جابر اور ظالم کے بدن میں داخل ہو جائیں (اور اس کو روک دیں۔ آخر ایسا ہی ہوا) اور اس (جابر) کے ہاتھ اینٹھ گئے۔ جب اس جابر حاکم نے یہ دیکھا تو حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو چھوڑ دیا۔ اور حضرت ہاجرہؓ کو اس کی خادمہ بنا دیا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی دونوں عمر رسیدہ ہو گئے تھے۔ اور دونوں کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اللہ نے ان پر رحمت کی اور دو فرزند عنایت کیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت تھی۔ کیوں کہ وہ خدا کے محبوب بندے تھے۔ چنانچہ دونوں کو جذب الٰہی نے گھیر لیا۔ اور لوگ فطرت کے پلیٹ فارم کے خلفاء کے محتاج تھے۔ تمام لوگوں میں سے امامت کی طرف زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جس کی جبلت (اور فطرت) کو جذب الٰہی کے راز نے گھیر لیا ہو۔ یہ وصف حضرت ابراہیم میں بطور اتم موجود تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی اولاد کو نبوت اور کتاب

دی۔ اور توحید کی طرف دعوت دینے کو ایک دائمی مشغلہ کی حیثیت عطا فرمائی۔

آپ کے دو فرزندوں میں سے ایک کے حق میں حق تعالیٰ کی یہ منشا اور مراد تھی کہ اس کو اپنے حرم کا خادم بنائے۔ اور اس کے وسیلے سے (اپنی تجلی کے ذریعے) خلق سے قریب ہو۔ اور ایک ایسا شعار ظاہر فرمائے۔ جس کے توسط سے لوگ اللہ کا تقرب حاصل کریں۔ اور اس کو ایسی اولاد عطا فرمائے جس میں امت مسلمہ بننے کی صلاحیت ہو۔ اب اس کو وجود میں لانے کے لیے قریب ترین ذریعہ یہ تھا کہ بی بی سارہ حضرت ابراہیم کو ہاجرہ ہبہ کردیں۔ اور ان سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے حرم تک پہنچنے کا قریب ترین ذریعہ یہ بنا کہ بی بی سارہ کو ہاجرہ پر رشک آیا۔ اور انھوں نے ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو اپنے گھر سے نکال دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو ایک ویران جگہ میں بسایا (جہاں نہ کوئی پانی تھا نہ گھاس) پھر اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کا چشمہ نکالا اور لوگوں کے دلوں میں وہاں سکونت اختیار کرنے کا الہام کیا۔ اس طرح حرم کا انتظام وجود میں آیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ الہام فرمایا کہ بیت اللہ بنائیں۔ اور وہاں رہائش اختیار کرنے کا بھی ان کو الہام کیا گیا۔ جس کی یہ صورت تھی کہ حضرت ابراہیم کے دل میں ایک سمجھ اور فراست پیدا کی۔ پھر اس میں برکت دی اور ان کو حج کے احکام اور اس گھر میں عبادت کی کیفیت کی تعلیم دی۔ ان کے دیانت کے خُلق میں اضافہ فرمایا۔ اور یہ ان کے حصے میں ایک وحی موجب بن گئی۔ جس کو انھوں نے اپنے بیٹے کے آئینے میں مشاہدہ کیا۔ (اسی طرح) اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کے کام کا انتظام فرمایا۔ ان کو اپنے گھر کا خادم بنایا۔ لوگوں میں حج کا شوق پیدا کیا اور حضرت اسمٰعیل کو نیک کام کرنے کی وصیت

کی اور ان کو اپنی قوم کے لیے نیکی کا حکم کرنے والا بنایا۔

اور دوسرے فرزند کا قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے توسط سے ابراہیم علیہ السلام کو اس (کے پیدا ہونے) کی خوش خبری سنائی۔ اس سبب سے بی بی سارہ کی جوانی نے جوش مارا اور پھر ان کے حیض کے ایام لوٹ آئے اور اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

جان لیجیے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اپنی فطرت اور جبلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوئے تو ان کا مقرب ملائک میں شمار ہونے لگا۔ اور ملاءِ اعلیٰ کے توسط سے ان کو انسان[1] الٰہی کے روشن دان سے ارادے اور اختیار کی زبان سے آواز دی گئی۔ اسی لیے انھوں نے نجومیت، مجوسیت اور شرک کے باطل ہونے کا واضح اعلان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے (حضرت ابراہیمؑ کو) اس طرح تعلیم دینے سے ایک تقریب کا ارادہ فرمایا تھا۔ جو یہ تھی کہ (قدیم) ملتیں باہم مختلف ہو گئی تھیں۔ مجوسیت میں تحقیق ختم ہو گئی تھی۔ اور نجوم کی وجہ سے شرک بڑھ گیا تھا۔ اب اس باطل کے سر کو توڑنے والا حق صرف یہ رہ گیا تھا کہ فطرت (پر چلنے) کا حکم دیا جاتے اور ارادہ (الٰہی) کی زبان کا اتباع کیا جائے۔ اس دور کے شروع میں (دنیا کے) حوادث (اور واقعات) آسمانوں کی قوتوں اور عناصر سے براہِ راست صادر ہوتے تھے، اسی لیے ادریس علیہ السلام نے اس دور سے مناسبت رکھنے والے علوم پر گفت گو کی۔ (عہدِ اول کی خرابیوں کو دیکھ کر) حظیرۃ القدس کے مقدس ملائکہ ملاءِ اعلیٰ میں ایک گونہ جوش پیدا ہوا (کیوں کہ) ان میں سے ہر ایک خدا

---

[1] انسانِ الٰہی نام ہے انسانی افراد کی اجتماعی شکل کا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے فلسفے میں اس کا دوسرا نام "امام نوع الانسان" بھی ہے۔ فلسفۂ یونان میں اس کو نوعِ انسانی کا رب کہا جاتا ہے۔

تعالیٰ کے لیے) ایک طلسم اور تجلی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں کچھ آسمانی قوتیں بھی لبعیت ودد کے طور پر رکھی گئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو ملاء اعلیٰ میں (حسب مراد) بسط اور قبض فرماتا ہے۔ اور اسی طرح اپنی مراد کو پورا کرتا ہے۔ اب آسمانوں کے لیے کوئی واضح حکم باقی نہ رہا تھا۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نجوم کو مٹانے والے توحید کی بات کرنے والے اور لوگوں کو اس تجلی کی طرف دعوت دینے والے ہوئے جو کہ حظیرۃ القدس میں قائم تھی۔

جاننا چاہیئے کہ وہ علوم جو کہ ملاء اعلیٰ میں ہیں سب سے قریب ترین صورت میں ان انسانی نفوس (کے دل) پر ٹپکتے ہیں۔ جن کی ملائکہ کے ساتھ (قوی) مناسبت ہوتی ہے اور یہ کہ لوگوں کی ہدایت کا ارادہ (حق کے مخالف لوگوں سے نفرت اور) ان پر لعنت کرنا اور انسانوں کے لیے شرائع کو مقرر کرنا ان سب کا ملاء اعلیٰ میں فیصلہ ہوتا ہے۔ اسی لیے (منشائے الٰہی کو بروئے کار لانے کے لیے) ملاء اعلیٰ کے توسط سے انبیاء علیہم السلام پر یہ علوم اترتے ہیں۔ اور یہ علوم ان کی زبان میں ہوتے ہیں اور ان کی عقول اور سمجھ کے مناسب ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ (لوگوں کی تعلیم کے لیے) اللہ تعالیٰ کی مختلف زبانیں ہیں۔ (اسی بنا پر) جب اس نے ابراہیم علیہ السلام کو ذبیحہ کے طور پر قربانی کے ذریعے اللہ کے تقرب کی تعلیم کا ارادہ فرمایا تو ان کے ساتھ خود زبانوں میں کلام فرمایا۔ تاکہ اللہ کے ساتھ ان کے اخلاص اور فرماں برداری کو واضح کرنے کے لیے ایک بڑا واقعہ وجود میں آسکے اور بیٹے کے ذبح کرنے والی قربانی اس زبان کے لحاظ سے ایک نعمت مشکورہ بن جائے۔

اس کا راستہ یہ تھا کہ حیوانات کی روحیں انسان کی طرح پورے عالم کو متضمن ہیں مگر

فرق یہ ہے کہ حیوان میں انسان کی بہ نسبت زیادہ اجمال پایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ پر یہ راز کھل گیا اور ان کو اپنے خواب میں یہ دکھائی دیا کہ وہ اپنے اس بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں جو کہ انسانیت میں نہایت ہی کمال کے مالک ہیں۔ اس کی مثال ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض ہونے کی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض ٹھہرائیں۔ اور خدا نے آپؐ کو بتایا کہ اللہ کا قول بدلتا نہیں۔ یہ حقیقت میں تو پانچ ہیں لیکن یہ ثواب کے لحاظ سے) پچاس ہیں۔ کیوں کہ ہر نیکی کا ثواب اس کا دس گنا ہوتا ہے۔ اب ان کو پچاس کہنا مجاز کے طرزِ تکلم پر اللہ کا کلام ہوگا۔ تاکہ نعمت کو کامل فرمادے اور فرمانبرداری کو دیکھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ بھی اسی طرح دو زبانوں میں ہوا۔ ایک تو مجاز کی زبان تھی کہ "تم اپنے بیٹے کو ذبح کرو۔ یعنی ایسے قوی مینڈھے کو ذبح کرو کہ جیسے بیٹا باپ کو پیارا لگتا ہے۔ وہ جانور بھی اپنے مالک کی سب سے پسندیدہ شے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اس (حکم اور) زبان کی پیروی کی تو ان کو ایک عظیم واقعہ پیش آیا۔ جس سے آپ کی عبادت اور انقیاد کی پوری ترجمانی ہوتی تھی اور آپؐ کے صحیفے میں یہ لکھا گیا کہ انھوں نے اللہ کے لیے اپنے بیٹے کو ذبح کیا۔ پھر اللہ نے اس کا فدیہ ان دونوں کے لیے اتمامِ نعمت اور تکمیلِ رحمت کے طور پر ذبحِ عظیم سے تعبیر فرمایا۔

دوسری زبان حقیقت کی تھی (جس میں) اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا کہ تو نے خواب کو سچا کر کے دکھایا"۔ یعنی تم نے خواب کی تعبیر اور اس کی مراد کو پورا کیا۔ اور اس سے اللہ کا مقصد دنبے کے ذبح کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسانِ الٰہی (امام نوعِ انسانی) سے ارتفاقات

ابراہمی معیشت کے اصول اور نیکی و گناہ کے علوم حاصل کیے۔ اسی لیے آپؑ نے مہمان نوازی، مسافر کے حق کی ادائیگی، فطری خصلتوں اور حیوان کے ذبح سے تقرب حاصل کرنے کی بنیاد رکھی، ارکان اسلام کو مشروع فرمایا اور شرک سے ہر طرح دور رہے۔

لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گروہ میں سے تھے۔ انہوں نے ان سے ادب سیکھا تھا اور ان سے سنا تھا۔ یہ تعلیم آپؑ کے دل میں بڑی اچھی طرح بیٹھ گئی تھی اور یہ ان کی نیکیوں میں سے ایک نیکی تھی۔ وہاں ایک قوم بستی تھی جن پر بے حیائی اور نفس پرستی نے غلبہ پا یا تھا۔ اور انہوں نے ملک میں فساد ڈال رکھا تھا۔ اور وہ جسمانی لذتوں کے حاصل کرنے میں بہائم سے جا ملے تھے۔ (اس لیے) اللہ نے ان پر غضب کیا۔ اللہ کی یہ حکمت تھی کہ اُن کو اُن کے بد اعمال کی سزا ملنے سے پہلے ڈرائے اِس لیے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ وہ ان کو ڈرائیں۔ اگرچہ یہ ڈرانا اپنے گروہ میں سے کسی ایک شخص کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ پھر انہوں نے لوط علیہ السلام کو (ان کی طرف) بھیجا۔ جنہوں نے جاکر ان کو وعظ و نصیحت کی اور سمجھایا لیکن اس تبلیغ سے ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر حکمت الہٰی ایسے سماوی اور ارضی اسباب کے انتظار میں رہی جن سے ایک ایسے اتفاقی وجودی واقعے کی تیاری ہو سکے جس سے ان کو عذاب دیا جائے۔

پھر جب اللہ کا حکم آیا تو ملائکہ انسانی صورت کا لباس اوڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان بن کر آئے۔ کیونکہ ڈرانے والے اصل میں ابراہیم علیہ السلام ہی تھے اور ان کے ہی ہاتھ میں ان کی پیشانیاں مہمانوں کی صورت میں رکھی گئی تھی۔ حضرت ابراہیم نے مہمانوں کے لیے لائق جو کھانا ہوتا ہے ان کے سامنے رکھا۔ اور جب آپ نے دیکھا کہ وہ اس کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تو انہیں اوپرا سمجھا اور ان سے انہیں وحشت ہوئی۔ یہاں

تک کہ جب آپ پر یہ واضح ہوا کہ یہ ملائکہ ہیں تو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں سے ظاہری وحشت زائل ہوئی اور ان کو خوشی حاصل ہوئی اور ان کے نفوس نے ملکوت کا رنگ اختیار کیا۔ اس لیے (فرشتوں کی) ان کے حق میں یہ دُعا تھی۔ کہ اے اس گھرانے والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔"

(جاننا چاہیئے کہ) ملائکہ اللہ کی رُوح ہوتے ہیں۔ اور ایسی رُوح کی یہ خاصیت ہے کہ جب بھی اس کا کسی چیز پر گزر ہوتا ہے تو اس چیز کی زندگی اور شباب لَوٹ آتا ہے۔ جب ملائکہ نے برکت کی دُعا کی اور انہوں نے اپنی پوری کوشش سے یہ قصد کیا کہ بی بی سارہ کی حالت سُدھر جائے۔ (اور دوسری طرف) رحمت (الٰہی) بھی ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کے مقبول ہونے کی منتظر تھی۔ تب اسی حالت میں بی بی سارہ جوان ہو گئی (اس لیے کہ) بیٹے کی بشارت ملنے کے بعد ان کو ظاہری اور باطنی طور پر سرور اور تعجب لاحق ہوا اور بیٹے کے تخیل سے بدن کے اندر اس کی روح منشرح ہوئی اور انشراح میں برکت ہوئی۔ جیسے کوئی مریض شدید مرض میں مبتلا ہو (اس میں کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ اچانک فرح و سرور پہنچنے سے شفایاب ہو جاتا ہے اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ضعف باہ والوں کو اگر قوی قوت والے لوگوں کی حکایتیں سنائی جائیں تو ان کے سننے سے وہ ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

پھر ابراہیم علیہ السلام نے ملائکہ سے پوچھا کہ ان کا کیا ارادہ ہے؟۔ انہوں نے آپ کو سب کچھ بتلا دیا۔ پھر وہ لوط علیہ السلام کے قریہ کی طرف گئے اور ان کے ہاں اُترے۔ (ان کو دیکھ کر) لوط علیہ السلام کی قوم ان کے پاس دوڑتی ہوئی آئی۔ ان کا فساد کا ارادہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی لوط علیہ السلام کے خلاف معرکے میں جلد بازی

اور دُوری میں ہی اندھا کر دیا۔ پھر ان (حضرت لُوط اور ان کے پیرووں) کے لیے زمین کو اس طرح لپیٹا کہ ان کے چلنے میں برکت رکھی گئی اور ان کو یہ حکم ہوا کہ (چلتے وقت مُڑ کر نہ دیکھیں تاکہ مسافت کو زیادہ نہ سمجھیں) لیکن ان کا ارادہ جو کہ روح الہٰی کے لیے ایک مثالی صورت کی طرح تھا، پراگندہ ہوا۔ پھر عذاب نازل ہوا۔ اور وہ زمین کا سخت زلزلہ تھا۔ اور بارش، ہواؤں اور اولے کے مادے کے منعقد ہونے سے کنکر کے پتھر بن گئے تھے (ان سے بھی ان کو عذاب کیا گیا)

جاننا چاہیئے کہ تمام عذاب جو کائنات جوّیہ کی قسم کے آتے ہیں، وہ سب ستاروں کے نامناسب اتّصال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور یہ تب ہی ہوتا ہے جب آسمان میں بارش بند ہو جاتی ہے۔ اور بڑی مدت تک اس میں بہت سے مادے جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح زمین میں بہت سے مواد جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ ملاء اعلیٰ کا غضب اور لعنت بھی مل جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان اسباب میں بسط فرماتا ہے۔ اور ان مواد کو کبھی تو زلزلے اور مہیب آواز بنا دیتا ہے اور کبھی زمین میں دھنسنا ہوتا ہے۔ اور کنکر کے پتھر برستے ہیں اور کبھی تند اور تیز تر ہوا بنا دیتا ہے اور کبھی ان کو گری ہوئی بجلی اور منتشر آگ کر دیتا ہے۔

یوسف علیہ السّلام

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی تقدیر میں تکلیف و مصیبت اور ان کے والد سے جدائی لکھی تھی، کیوں کہ اس پر سماوی اسباب کی موافقت ہو گئی تھی۔ آخر آپؑ کو ایک بڑا واقعہ پیش آیا۔ جیسے بھائیوں کا ان کے ساتھ حسد کرنا اور انہیں کوئیں میں گرانا۔ پھر (تاجروں کے ہاتھ) فروخت کرنا اور ان کا زلیخا کے یہاں پہنچنا اور قید خانے میں ہونا یہاں تک کہ بلا و مصیبت کا زمانہ گزر گیا۔ پھر اللہ نے اُن پر رحمت فرمائی۔ اور اپنی رحمتوں کی ظاہری اور باطنی طور پر بارش برسائی۔ ان کے لیے اس حادثے میں ان کے پروردگار کی مختلف نعمتیں تھیں۔

ایک یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام پاک باز تھے۔ ان پر خواب میں وہ سب ظاہر ہوا جو آخر کار ان پر اللہ کا انعام ہونا تھا۔ مثلاً مخلوق ان کی اطاعت کرے گی۔ ان کے ماں باپ اور ان کے بھائی ان کی تعظیم کریں گے۔ یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر فرمائی اور اللہ کی مراد کو معلوم کیا۔ اور اپنے تنبّہ سے کلی طور پر مراد کے راز کو بھی جان لیا کہ یوسف علیہ السلام تعبیرِ واقعات اور خواب کے لیے بھی مُستعد ہیں۔ کیوں کہ خواب اور حوادث کے لیے کوئی تعبیر ہوتی ہے جس کو جامع تنبّہ کا حامل معلوم

کرلیتا ہے۔ تنبیہ جامع سے میرا مقصد یہ ہے کہ معنی مراد کو قوت خیالیہ ایسی صورت پہنائے جو کہ طبیعت کی صورت کے مناسب ہو اور اس کی بنا طبیعت کلیہ کی اقتضاء پر ہوتی ہے جب یہ حقیقت اجمالیہ کا عالم ناسوت میں افاضہ کرتی ہے۔

ان عنایات میں سے دوسری عنایت یہ تھی کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان پر حسد کیا اور ان کو جان سے مار ڈالنے کا باہمی مشورہ کیا تو ان میں سے ایک کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے یہ نکلوایا کہ یوسف کو قتل نہ کرو اور ان کو کنوئیں میں ڈال دو۔ پھر اللہ نے سب کو اس کی بات کا قائل کرا دیا۔ (اور اس کے کہنے پر ان کو قتل نہ کیا) تو خدا نے یوسف کے قتل کو کنوئیں میں ڈالنے سے بدل دیا اور قضا کو اس پر آسان کر دیا۔

ان پر تیسری عنایت یہ تھی کہ جب ان کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اپنے حال کی جو آگے ہونے والا تھا اور ان کے بھائیوں کے حال کی وحی کی کہ وہ سب ان کے تابعدار ہوں گے اور یوسف کی فضیلت اور ان کے حق میں اپنی خطا کا یہ کہہ کر اعتراف کریں گے کہ "تحقیق اللہ نے تجھ کو ہم پر فضیلت دی ہے"[1] اس وحی کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ یوسف کے دل کو تسلی ہو جائے اور اس سے اس کی وحشت رفع ہو جائے۔"

چوتھی عنایت یہ تھی کہ اس حادثے کی طبعی اقتضا یہ تھی کہ یوسف ہلاک ہوں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو روک دیا۔ حقیقت میں تو اس کو ہلاکت کا سبب نہ بنایا لیکن ظاہراً اور حکایت، گمان اور یعقوب علیہ السلام کے (ان پر) غم کرنے کے لحاظ سے اس کو ہلاکت کا باعث بنا دیا۔

---

[1] سورۂ یوسف، آیت ۹۲ -

پانچویں عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف کی خلاصی کے لیے یہ تقریب فرمائی کہ قافلے والوں کے دلوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ اس طرف کو جائیں اور اپنے میں سے ایک کو کنوئیں کی طرف بھیجیں۔ ان کا یہ گمان تھا کہ وہاں پانی ہوگا۔ اس طرح یوسف اسے مل گئے اور وہ ان کی طرف راغب ہوا۔ اور ان کی اس خیال سے حفاظت کی کہ ایک عمدہ پونجی ہے۔ حق بات یہ ہے کہ اس سے یوسف کی طول حیات مراد تھی۔ اور ان کا اپنے کمال کی حد تک پہنچنا تھا۔

چھٹی عنایت یہ ہے کہ جب ان کو (مصر کے) عزیز نے خریدا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ اپنی بیوی کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کرے۔ اور بیوی کے دل میں بھی یہ القا کیا کہ وہ ان کا خیال رکھے اور شاید ان کو اپنا بیٹا بنالے۔ حق یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے حق میں اللہ کی مراد یہ تھی کہ ان کو ملک مصر میں سکونت دے اور بڑی نعمت سے پہلے ان پر اپنی رحمت کو کامل کرے۔

ساتویں عنایت یہ ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بغیر اللہ نے ان پر اپنی حکمت اور علم کو ظاہر فرمایا۔ اور ان پر ملتِ حنیفی کو واضح کیا۔ اگرچہ ان کی بود و باش کافروں کی قوم میں تھی جہاں بُری رسمیں تھیں۔

آٹھویں عنایت یہ ہے کہ جب عورت (زلیخا) ان پر عاشق ہوئی اور ان کو پھسلانا شروع کیا۔ وہ ایک قوی مزاج والے جوان تھے، "اور البتہ عورت نے فکر کی اور اس نے بھی فکر کی عورت کی۔"[1] تو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی دلیل ظاہر فرمائی جس سے ان کے دل میں عصمت نے جوش مارا اور اس نے ان کے مزاج کے جوش کو ٹھنڈا

[1] یہ سورۂ یوسف کی آیت ۲۴ ولقد ھمت بہ وھم بھا کی طرف اشارہ ہے۔ مؤلف امام غالب آیت کے تحت "عصمت" کی مزید تحقیق تفہیمات جلد ا ص ۲۶۰ میں فرمائی ہے۔

کر دیا، اگرچہ ان کا مزاج قوی تھا اور اس کی یہ صورت ہوئی کہ ان کو اپنے باپ (یعقوب علیہ السلام) کی صورت نظر آئی، جن کو وہ جانتے تھے کہ یہ (باپ) اللہ کے شعائر میں سے ہے اور وہ ملک میں اللہ کی طرف بلانے والا ہے اور اس فعل سے ان کو روکنے والا ہے۔

نویں عنایت یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی اور (لوگوں میں (آپ) کی عصمت اور صداقت پر) کوئی گواہی دینے والا نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک بچے کو ایسی حکمت سے گویا کر دیا جس سے ان کی برارت (اور صفائی) ہو گئی۔

دسویں عنایت یہ ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو بنا سنوار کر عورتوں کو اس لیے دکھلایا کہ اپنے آپ سے ان کی ملامت کو دفع کرے تو وہ عورتیں ان پر عاشق ہو گئیں اور انھوں نے ان تک رسائی کی بڑی کوشش کی۔ (ایسی حالت میں) بظاہر یوسف علیہ السلام کی عصمت کا باقی رہنا مشکل معلوم ہوتا تھا اس لیے انھوں نے اپنے پروردگار سے اپنی خلاصی کی دعا مانگی۔ چاہے وہ خلاصی قید کی صورت میں کیوں نہ ہو، جس قید کی زلیخا نے اپنی مقصد برآری کے لیے ان کو دھمکی بھی دی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان لوگوں کے خیال میں یہی آیا کہ ان کو قید کریں، اگرچہ ان کی برائت ثابت ہو گئی تھی۔

گیارھویں عنایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہائی اور مصر میں ان کو قوت دینے کی عجیب تقریب فرمائی۔ اور ان کے لیے ایسا سبب مہیا کیا کہ عام اور خاص سب ان کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہو جائیں اور (وہ تقریب یہ تھی کہ) دو شخصوں کو خواب دکھایا۔ یوسف علیہ السلام کو اس خواب کی تعبیر کی توفیق عطا فرمائی۔ انھوں نے اس خواب کی مراد کو سمجھ لیا اور ساقی سے کہا کہ اپنے مالک کے

ہاں ان کا ذکر کریں اور ان کے فضل کو ظاہر کریں۔

بارھویں عنایت یہ تھی کہ جب اہل مصر کو ایک عظیم قحط نے گھیر لیا جس سے وہ ہلاک ہونے والے تھے تو اللہ نے ان پر رحم کر کے ان کے بادشاہ کے دل میں ان کی نجات کی تدبیر ڈال دی۔ اور یہ تدبیر اور الہام یوسف علیہ السلام کے سوا پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی رہنائی اس وقت ہی ہو سکتی تھی جب اس کے لیے (بادشاہ کے دل میں اس کا) القا کیا جائے اور لوگوں کو یوسف علیہ السلام کی ضرورت ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے بادشاہ اور شہر کو یوسف علیہ السلام کا محتاج بنایا۔ اور یوسف علیہ السلام کو بھی بادشاہ اور لوگوں کی طرف حاجت پڑی تاکہ جو کام ہونے والا ہے اس کو اللہ پورا کرے۔ اکثر حوادثات اسی طرح ہوتے ہیں۔ جن میں بہت سے لوگوں کے لیے عنایات باری جمع ہوتی ہیں۔

تیرھویں عنایت یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کو یہ توفیق عطا ہوئی تھی کہ اس وقت تک وہ قید خانے سے باہر نہ آئیں جب تک ان کی براءت نہ ہو لے اور قبل اس کے کہ اللہ کی نعمتیں ان کو گھیر لیں، لوگوں میں ان کی صداقت کی تشہیر ہو جائے تاکہ ان کا صدق دنیا سے آلودہ نہ ہو جائے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ثنا فرمائی اور ان کے فضل کا اعتراف کیا۔ آپؐ نے (ایک حدیث میں) فرمایا کہ اگر میں قید خانے میں اتنی مدت ٹھہرتا جتنی یوسف علیہ السلام ٹھہرے تھے تو میں داعی کی بات پر کان دھرتا (یعنی قید خانے سے نکل آتا)[1]

[1] اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں اور شیخین نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔ دیکھیے تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، ص ۴۸۱۔ طبع مصطفیٰ محمد، مصر۔

چودھویں عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو حاکم بنایا اور (مصر کے بادشاہ) ریان کے دل اور دوسرے تمام لوگوں کے دل کو ان کا مطیع کیا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام اور دوسرے تمام لوگوں کے لیے نعمت بنایا۔

پندرھویں عنایت یہ تھی کہ اللہ نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں ان کے پاس آنے کی رغبت پیدا کی تاکہ غمزدہ لوگوں سے ملاقات ہوسکے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام توحید اور علم اسباب سب کو جانتے تھے۔ وہ نظر لگنے سے ڈرے اور بیٹوں کو (اس سے) بچنے کی تدبیر بتائی۔

سولھویں عنایت یہ تھی کہ جب یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے بھائی (بن یامین) کو اپنے پاس روک لیں تاکہ دوسرے بھائیوں کی بے خبری میں اپنے اس بھائی سے انس حاصل کریں تو اللہ تعالیٰ نے (ایک تدبیر فرمائی کہ) ان کے بھائیوں سے کہلوا دیا کہ جس کے سامان میں (کھوئی ہوئی چیز) پائی جائے تو وہی اس کے بدلے میں جائے۔ وہ اپنے زعم میں اپنی برارت کے اظہار میں مبالغہ کر رہے تھے لیکن حقیقت میں غیر شعوری طور پر وہ یوسف علیہ السلام کے مقصد برآری کی کوشش کر رہے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کے دل میں یہ اجمالی وحی کی کہ وہ اپنے بیٹوں سے ملیں گے۔ پھر ان پر اپنی رحمت پوری کی اور اس خوشی کے سلسلے میں جو اُن کی روح کو بیٹوں کی ملاقات والی بشارت سے پہنچی تھی، ان کی بینائی لوٹ آئی اور حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب صحیح ثابت ہوا۔ پس یہ سب (عنایتِ الٰہی کی) علامات تھیں جو کہ یوسف علیہ السلام پر ظاہر ہوئیں۔ سب مومنوں کو چاہیے کہ ان سے یہ سمجھ لیں کہ اللہ اپنی عنایت کو خلق میں کس طرح ظاہر فرماتا ہے، جب کسی شخص کو

کسی ہلاکت سے بچاکر باقی رکھنا چاہتا ہے یا دنیا اور آخرت میں اس کے کمال تک اس کو پہنچانا چاہتا ہے۔ اور جب اللہ، کسی قوم کے بقا کا ارادہ کرتا ہے تو کس طرح نجات کی تدبیر دل میں ڈال دیتا ہے۔ پھر جو بھی اس خدمت کے لیے مستعد ہوتا ہے اس کو اس تدبیر کی خدمت میں لگا دیتا ہے۔ اللہ کی آیات میں تمھیں تدبر کرنا چاہیے۔ اور تمھیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ خدا کی تدبیر مخلوق میں کس طرح کام کرتی ہے۔

———

ایوّب علیہ السّلام

ایوب علیہ السلام نے نعمت، ثروت، آرام، عبادت اور نظافت میں نشو و نما پائی۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ ان کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ اور ان کو ملّتِ حنیفی کی طرف بلاتے تھے۔ قوم کے فقرا اور مساکین کی حاجت روائی کرتے تھے۔ پھر موافق ہو گئے اسبابِ سماوی مصیبت پہنچانے پر ان کے مال و اہل و عیال اور جسم، سب میں۔ اور اس وقت بھی ان کے پروردگار کی ان پر یہ عنایتیں تھیں کہ ان پر خیر کا فیضان ہوتا تھا اور ان کو دقلبی) اطمینان تھا۔ ان کی یہ حالت ان اصولوں میں شمار ہوتی ہے جن سے اللہ کے لیے ان کی فرماں برداری اور اطاعت کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہ حالت ان کے نامۂ اعمال میں لکھی گئی اور اس پر اللہ نے ان کے شکر بجا آوری کو قبول فرمایا۔

جب ان کی مصائب جاتی رہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتیں برسائیں اور جو رحمت پوشیدہ تھی وہ ظاہر ہوئی اور ان سے کہا گیا "لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو۔"[1] زمین پر لات مارنا تو اسبابِ ارضی میں اللہ تعالیٰ

---

[1] سورت صٓ، آیت ۴۱، ۴۲۔ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ۔

کی عنایت تھی تاکہ وہ یوں ہی بے کار نہ رہ جائے۔ (اس سے) وہاں پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا، جس کی یہ خاصیت تھی کہ اس (کے استعمال) سے جذام کا خاتمہ ہو جائے، جس طرح گندھک کے چشمے کی خاصیت ہوتی ہے خارش کا ازالہ۔ حضرت ایوب علیہ السلام اس پانی سے نہائے اور اسے پیا جس سے ان کا سارا بدن اچھا ہو گیا اور مرض کا مادّہ جاتا رہا، حضرت ایوبؑ اور ان کی بیوی دونوں کا شباب لوٹ آیا پھر ان کی جتنی اولاد ہلاک ہوئی تھی، وہ اور اس قدر مزید ان کے لیے پیدا ہوئی۔ اور اپنے زمانے کے لوگوں اور ان کے بعد کے آنے والے لوگوں سب میں سچے (مشہور) ہو گئے۔ اللہ نے ان کے مال میں برکت دی، جس طرح اس سے پہلے برکت دی تھی یا اس سے بھی زیادہ۔

ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام غسل کر رہے تھے کہ اللہ کی رحمت سے ٹڈیاں آئیں اور جب ان کے گھر میں گر پڑیں تو سب سونے کی ہو گئیں اور ان میں سے ایک گھر کے باہر گری تو اس کو بھی اٹھا لائے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جب کسی طرف سے رحمت متوجہ ہوتی ہے تو حتی الامکان (اس کو چھوڑنا نہ چاہیے) اس کو لپک کر لانا ضروری ہے۔

حضرت ایوب نے یہ منت مانی تھی کہ اپنی بیوی کو سو درے ماریں گے اور اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت اور آسانی کی نظر تھی تو نذر کی ایفا میں حقیقی صورت کو چھوڑ کر اس کی ظاہر صورت پر اکتفا کی۔ کیوں کہ ایک سو مرتبہ مارنے کے معنی ہیں شدید درد پہنچانا اور اس سے ظاہری مراد ہے ایک سو مرتبہ مارنا۔ چاہے وہ ایسی شکل میں ہو کہ اس سے کوئی خاص تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے پیارے بندوں کے ساتھ برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہے کہ ان سے حدود شرعیہ کی ظاہری صورت پر اکتفا کی جاتی

ہے۔ اصل حقیقت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی عنایت اور ارادے سے ہوتا ہے۔ جس کا تعلق ان شرائع سے ہوتا ہے جو ملاءِ اعلیٰ کے سینوں میں بنتی ہیں (یعنی ملاءِ اعلیٰ میں ان کا فیصلہ ہوتا ہے)۔ پھر ان میں ان شرائع اور احکام کی وجہ سے حرج اور تکلیف نظر آتی ہے۔ اسی طرح ہر پسندیدہ نظام کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہی برتاؤ ہوتا ہے۔ جب اسبابِ ارادی اس پر موافقت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان عدل اور انصاف سے اسی طرح فیصلہ کرتا ہے کہ شے کے ایک پہلو کو لیا جاتا ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

شعیب علیہ السّلام

حضرت شعیب علیہ السلام صاف دل والے مومن اور اپنے پروردگار کے فرماں بردار تھے۔ ان کی قوم نے زمین میں فساد کیا اور لوگوں کے حقوق میں بے انصافیاں روا رکھیں اور بری رسموں پر جمع ہو گئے تھے۔ مظلوم لوگ فریاد کرتے تھے لیکن ان کی کوئی نہیں سنتا تھا۔ انھوں نے اللہ اور آخرت پر ایمان کو بالکل بھلا دیا تھا۔

اللہ کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ شعیب علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائے کہ ان کی قوم کو (گناہوں کی پاداش میں) خدا کی طرف سے جو سزا ملنے والی تھی، اس سے ڈرائیں اور ان کو خدا کے غضب سے باخبر کریں۔

جب شعیب علیہ السلام کے (سمجھانے اور) ڈرانے سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حکمتِ الٰہی منتظر رہی یہاں تک کہ ایک مدّتِ دراز تک ان سے بارش رک گئی۔ اور زمین کے مواد بھی رک گئے اور شدّت کی گرمی پڑی تو اللہ کا حکم آ پہنچا۔ چنانچہ ان پر گرم ہوا چلی پھر ان ہواؤں میں اضافہ ہوا اور وہ آگ ہو گئیں اور انھیں (رعد کی مہیب) آواز آئی۔ (اس سے) وہ ہلاک ہو گئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس طرح پہلے اپنے رب کے فرماں بردار تھے، اسی طرح اب بھی مطیع مومن رہے۔

اور قوم کے ساتھ جھگڑنے اور ڈرانے کا خیال جو ان کے سینے میں جوش مارتا تھا، وہ ختم ہوگیا۔ اور یہ جوش ملاء اعلیٰ میں قوم شعیب پر لعنت اور غضب کرنے کے نتیجے میں تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام پر ایک حالتِ الٰہی کا نزول ہوا تھا، اس سے وہ لذت حاصل کرتے تھے۔ اور اس لیے ان کی یہ خواہش تھی کہ بعض افراد ایمان لائیں اور بعض نہ لائیں۔

موسیٰ و ہارون علیہما السلام

جاننا چاہیے کہ فرعون نے اللہ اور اس کے شعائر سے تکبر کیا اور اس نے اپنی خدائی کا دعویٰ کیا۔ خدا کی مخلوق کو اپنا غلام بنایا۔ ملک میں فساد کیا، اور بنی اسرائیل پر ان کے بیٹوں کے قتل کرنے اور ان کو ذلیل و خوار رکھنے سے غلبہ حاصل کیا۔ (اس دور میں) بنی اسرائیل ملک میں اللہ کی مخلوق میں سب سے اچھے لوگ تھے۔ انھوں نے اللہ کے آگے عاجزی سے فریاد کی۔ (ان کی دعا قبول ہوئی) اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ فرعون اور اس کی قوم کو ان کے بداعمال کی سزا میں عذاب دے اور کمزور بنی اسرائیل پر احسان فرمائے۔ ان کو (قوموں کا) پیشوا بنائے اور ان کو زمین کا وارث کرے۔ تب اللہ نے (اپنی مراد کو بروئے کار لانے کے لیے) ایک عظیم الشان شخص کی پیدائش کا حکم دیا۔ جس کا یہ کارنامہ ہوگا کہ فرعونی اس کے ذریعے ہلاک ہوں گے اور بنی اسرائیل اس کی مدد سے (فرعونیوں کے مظالم سے) نجات پائیں گے۔ پھر اس شخص پر اس کے شروع سے لے کر اس کے قوت پانے تک اللہ تعالیٰ کی عنایتیں تھیں۔ اور اس کو پورے طور پر آزمایا تاکہ اس پر اس کی جبلت منکشف ہو اور اس کی استعداد میں جو چیز

پوشیدہ ہے وہ ظاہر ہو جائے۔

ان عنایات میں سے ایک عنایت یہ تھی کہ فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں میں دایوں کو جاسوس بنا کر بھیجا اور (اللہ نے) موسیٰ علیہ السلام کو ان سے اس طرح چھپا لیا کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ یہاں کوئی حمل نہیں ہے۔ پھر جب وہ پیدا ہوئے تو ان کی ماں کے دل میں ان کی نجات کے حیلے کا الہام کیا کہ اس کو دودھ پلاتی رہ! پھر جب تجھ کو ڈر ہو تو ڈال دے اس کو دریا میں اور نہ ڈر اور نہ غم کھا ہم پھر پہنچا دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو رسولوں سے۔[1]

اس کی عملی شکل یہ تھی کہ اس (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ) کے دل میں یہ بات آئی کہ موسیٰ کو اپنے پاس رکھنے میں ہلاکت کا اندیشہ ہے اور اگر اس کو دریا میں ڈال دیا جائے تو یہ اس کی خلاصی کا سبب ہو سکتا ہے، اور شاید یہ وہی نبی مرسل ہو جس کی علمائے بنی اسرائیل نے بشارت دی ہے اور جس سے فرعون خائف ہے۔ یہ الہام پہلے تو ایک معمولی خیال کی شکل میں نمودار ہوا پھر اس میں اضافہ ہوا اور اس خیال میں (عزم کی طرح) اتنی قوت پیدا ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو اس سے نہ روک سکی۔ اور اس نے موسیٰ کو دریا میں ڈال دیا۔ (تدبیر الٰہی اور الہام نے) دریا میں شدید موجوں کو ابھارا اور ان موجوں نے صندوق کو آلِ فرعون تک پہنچا دیا۔ انھوں نے اس صندوق کو نکال لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رغبت ڈال دی۔ وہ یہ خیال کرنے لگے کہ یہ بچہ ان کے لیے سودمند ہوگا اور وہ اس کو اپنا بیٹا بنائیں گے۔

صریح حق بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی

---

[1] [illegible]

اچھی تربیت ہو اور ان کو فرعون کے خوف سے مامون و محفوظ بنائے۔ اور اللہ کی یہ شان رہی ہے کہ جب کسی ملت یا حکومت کی ترقی چاہتا ہے تو اکثر اوقات ایک فاجر آدمی کے دل میں اس کے ذہن کے موافق ایک خیال ڈال دیتا ہے۔ اور وہ شخص اس پر عمل کرتا ہے۔ اس طرح حق تعالیٰ اپنی مراد کو پورا کرتا ہے اور اس شخص کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تحقیق اللہ اس دین کو ایک فاجر و فاسق آدمی سے قوت دیتا ہے۔[1]

پھر جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کو قرار نہ رہا[2] اس لیے کہ وہ الہام الٰہی کی مناسب طور پر تابعدار ہو کر طبیعت کے احکام سے جدا نہ ہوئی تھی اس لیے وہ سوچ میں پڑ گئی اور اس نے یہ سمجھا کہ اس سے تدبیر میں خطا واقع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کہ موجیں صندوق کو کہیں لے جائیں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ صندوق پر نظر رکھے۔ لیکن خدا نے اس کے دل کو مضبوط کیا، پھر کبھی تو وہ یہ کہتی تھی کہ شاید خدا وہی کرے جس کی مجھے آرزو ہے اور کبھی اس راز کو بے قرار ہو کر فاش کرنا چاہتی تھی۔[3]

---

[1] یہ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ اصل روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم خیبر (کی لڑائی) میں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے حق میں جو مدعیٔ اسلام تھا، فرمایا کہ "یہ شخص جہنمی ہے۔" لڑائی کے موقعہ پر اس شخص نے دشمنوں سے سخت لڑائی لڑی اور شدید زخمی ہو گیا۔ اس شخص کے بظاہر اس مجاہدانہ کارنامے کو دیکھ کر بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شخص کے حق میں کہی ہوئی بات میں شک کرنے لگے لیکن ہوا یہ کہ جب اس زخمی شخص نے شدید درد محسوس کیا تو خودکشی کر لی۔ لوگوں نے دوڑ کر آپؐ کو اس کا سارا قصہ سنایا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا کہ "جنت میں مومن ہی داخل ہوتا ہے۔ بے شک اللہ دین کی فاجر آدمی سے تائید کرتا ہے" (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۴ - اصح المطابع)۔ [2] سورۂ قصص کی آیت ۱۰ کی طرف اشارہ ہے۔

[3] سورۂ قصص آیت ۱۱۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کی بہن سے کہا کہ اس صندوق کے پیچھے چلی جا۔
پس وہ دیکھتی رہی اسے اجنبی ہو کر۔ اور ان کو خبر نہ ہوئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ والدۂ موسیٰ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ وہ غمگین نہ ہو۔ وہی موسیٰ کی پرورش کرے اور فرعون سے بے خوف ہو کر ان کو دودھ پلائے تاکہ یہ امر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے زیادہ مناسب، ان کے نسب کے لیے مزید استحکام کا باعث اور ملتِ حنیفی کو اپنے لیے مذہب قرار دینے کے لیے زیادہ قریب ہو، اور یہ کہ حضرت موسیٰ کی والدہ سمجھ لے کہ یہ بات جو اس کے سینے میں ڈالی گئی ہے، وہ درحقیقت اس کے پروردگار کی طرف سے الہام تھا۔ اس طرح وہ اپنے رب کی فرماں بردار اور اس کی شکر گذار ہو جائے تاکہ یہ بات اس کے کمال میں اس کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ تقریب فرمائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہر کسی کا دودھ پینا حرام کر دیا۔ آپؑ نے کسی بھی دودھ پلانے والی عورت کی چھاتی کو منہ نہ لگایا۔ ہر دودھ کو بدمزہ سمجھنے لگے یہاں تک کہ وہ لوگ عاجز آ گئے۔ پھر جب ان کو موسیٰؑ کی والدہ کے متعلق علم ہوا (اور وہ دودھ پلانے کے لیے بلائی گئی) تو ان کا دودھ انھیں خوش گوار معلوم ہوا۔ اور وہ دودھ پلانے والی مقرر ہوئیں۔

پھر حضرت موسیٰؑ اپنی عقل اور علم میں برابر بڑھتے گئے اور ان پر ان کی فطرت کا انشراح ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچے تو انھیں اللہ تعالیٰ نے حکمت اور علم عطا فرمایا۔ وہ احکامِ الٰہی کی تاویل سمجھ گئے اور ملاءِ اعلیٰ سے منصبغ (اور مستفیض) ہونے کے تیار ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی تربیت سے خلاصی دینے اور اس سے نجات دینے کا ارادہ فرمایا تاکہ وہ (فرعون سے جدا ہو کر)

اپنے علم اور ہدایت میں کامل ترین انسان ہوں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے، جن پر ان کی فطرت کا انشراح مومنوں کی صحبت سے کمال کو پہنچتا ہے اور فرعونی لوگوں کی صحبت اور ان کی معاشرت حضرت موسیٰؑ کو (اس کمال تک پہنچنے سے) مانع تھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے (ان کو فرعون سے الگ رکھنے کے لیے) ایک ایسی تقریب بہم فرمائی جو ان کی عصمت سے بھی نہ ٹکراتی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ) حضرت موسیٰ اصلاح کے لیے ایسے دو شخصوں کے بیچ میں پڑ گئے جو ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ اور اس ظالم کی تادیب مطلوب تھی۔ آخر آپؑ کے ہاتھ سے وہ مر گیا اور انھوں نے اس زبان سے جو اس دور میں متعارف تھی، اللہ سے بخشش مانگی اور اللہ نے اس کی توبہ قبول کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل پر جو پردہ تھا، اس کو ہٹا دیا (یہ پردہ اس لیے پڑا تھا کہ) انھوں نے گمان کیا تھا کہ میں نے گناہ کیا ہے۔ ورنہ وہ تو اس قتل میں اللہ کے امر کے خادم اور مطیع تھے، لیکن اس وقت کی زبان اور اس کے حال کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اس راز کو نہ سمجھے اور وہ شرعی حکم ان پر مشتبہ رہا جس کو وہ شریعت سے جانتے تھے۔ تب وہ ڈر گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی زبان سے، جس کی حضرت موسیٰ نے مدد کی تھی اور اس پر احسان کیا تھا، ایسی چیز کہلوا دی جس میں ان کی ہلاکت کا خوف تھا۔ یہ خدا کی طرف سے ایک تدبیر تھی تاکہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاں سے نکل جائیں اور اس کی نعمت سے ناامید ہو جائیں اور یہ اس طرح ہوا کہ اس شخص نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے کہ "تو واضح گمراہ ہے"[1] یہ سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔ پھر یہ خبر پھیل گئی اور شہر میں مشہور ہو گئی۔ اور فرعون ناراض ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ

---

[1] سورۂ القصص آیت ۱۸۔

نے اس کے عجز سے ایسی بات کہلوا دی جو موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے نکل جانے پر برانگیختہ کرے۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف بغیر کسی زاد راہ، سواری اور رہنما کے چلے اور اپنا کام اللہ کو سونپا اور اس پر توکل کیا تو اللہ نے ان کی حفاظت اور رہنمائی کی اور جب مدین کے پانی پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سبب بہم فرمایا جس سے ان کا مدین میں رہنا ممکن ہو جائے۔ وہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ ڈال دیا کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو بلا کسی معاوضے کے پانی پلائیں اور دوسری طرف شعیب علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیوں کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں رغبت پیدا کی۔ کیونکہ وہ طاقت ور اور امانت دار تھے اس لیے ان کو گلہ بانی کے لیے مقرر فرمایا اور وہ بھی یہی چاہتے تھے۔ (حضرت شعیب نے ان سے کہا کہ کوئی عصا لے لو) خدا نے حضرت موسیٰ ع کو اس عصا کے اٹھانے کی ہدایت فرمائی جس کے انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے کے بعد وارث ہوتے آتے تھے اور اس میں برکت تھی۔ پھر حضرت موسیٰ مصر کی طرف روانہ ہوئے اور یہ سفر بظاہر تو اپنی قوم کی محبت کی وجہ سے تھا لیکن فی الحقیقت اس سے اللہ امر رسالت کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام وادی طوی میں پہنچے اور یہ برکت والی وادی تھی جہاں ملائکہ کی روحیں جمع ہو گئی تھیں تو خدا نے ایک تقریب بہم فرمائی۔ حضرت موسیٰ کو آگ اور راستہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ان کی بی بی کو درد زہ شروع ہوا (اس وقت) سردی ہو گئی اور راستہ (بھی) بھول گئے۔ پھر جب وہ اس وادی میں ایک بیری کے درخت

کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک ایسی عجیب تجلی فرمائی کہ اس جیسی تجلی اس سے قبل دوسرے کے لیے نہ ہوئی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ (مقدس ملائکہ کی جماعت) میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بالمشافہ خطاب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ طبیعت کے سخت، بہادر اور غیور تھے تو آپ کی طبیعت نے اس جگہ پے در پے آگ کا تصور کیا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کی صورت کا افاضہ کیا اور یہ آگ عناصر کی قسم سے نہ تھی لیکن خالص عالم مثال کی چیز تھی۔ اس طرح خدا نے ملاء اعلیٰ کی زبان سے آگ کے اندر سے حضرت موسیٰ سے روبرو کلام کیا۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے۔ اللہ نے ان کا ڈر دور کیا اور ان سے فرعون کی طرف جانے اور اس کو ایمان کی طرف بلانے کا حکم فرمایا اور ان کو عصا اور روشن ہاتھ کا معجزہ دکھایا۔

اب ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالم مثال کا ظہور کبھی ایسے موجود کی صورت میں ہوتا ہے جس کا کسی بھی موجود طبیعی مانند آگ کے کوئی ربط نہیں ہوتا۔ اسی طرح عالم مثال کبھی جسم طبیعی میں ظاہر ہوتا ہے اور اس پر مثال کے حکم کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس پر مثالی ہستی غالب آتی ہے۔ تب وہ عصا ناسوتی مثالی بن جاتا ہے[۱] اور اس کی دو شاخیں اژدہے کے دونوں جبڑوں کی طرح ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہاتھ میں چمک تھی۔ وہ بعینہٖ نور ہوگیا، اور اس دور میں جادو انسانی حواس میں تصرف کرنے کا نام تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اجسام طبیعی میں وہ اوصاف اور عوارض خیال کرتے تھے جو درحقیقت ان میں نہیں پائے جاتے تھے۔ پھر ظاہر ہوا حق اجنبی صورت میں

---

[۱] یعنی عالم مثال اور عالم ناسوت دونوں سے اس کو بہرہ ملتا ہے۔

اور جادو باطل تھا کیونکہ وہ ایسا تخیل ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ اور یہ (عالم مثال سے آنا) حق ہے کیوں کہ اس کی اصل ہے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ تمام عنایات جو ان پر ہوئی تھیں کھول کر بتائیں مثلاً جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کو وحی فرمائی اور جس وقت ان کو اپنی محبت عطا کی۔ اسی طرح اس وقت سے لے کر اس حالت تک[1]۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو علم عبادت کے اصول سکھائے اور فرعون پر دلائل سے غلبہ پانے کا علم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت سی چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال کیے جیسے ان کی زبان سے لکنت کی گرہ کا دور ہونا اور ان کے بھائی (ہارون) کو ان کے لیے وزیر مقرر کرنا۔ حضرت موسیٰ نے جو سوال کیے تھے، اللہ تعالیٰ نے وہ سب پورے کر دیے۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مقابلہ شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کی ان کے حق میں (بے انداز) عنایتیں تھیں۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے پیارے اور پسندیدہ تھے اور اس کی کچھ نشانیاں بھی تھیں جیسے فرعون اور اس کی قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا ہونا۔

ان عنایات اور آیات میں سے ایک یہ تھی کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کے پروردگار کے متعلق پوچھا تو حضرت موسیٰ نے اس کا واضح آیات (ہی) سے جواب دیا، کیوں کہ ذاتِ باری کی پہچان تھوڑے لوگوں کے سوا دوسروں کو نہیں ہوتی۔ اور احکامِ الٰہی عام اور سب لوگوں کو شامل ہیں۔ فرعون نے معجزہ طلب کیا تو (آپؑ) کا

---

[1] یہ مضمون سورۃ طٰہٰ کی آیت ۳۸ سے شروع ہو کر آیت ۴۱ تک ختم ہوتا ہے۔

عصا اژدہا بن گیا اور آپؑ نے جب ہاتھ نکالا تو کسی عیب کے بغیر چمکتا نظر آیا اور انہوں نے جادوگروں کو عاجز کر دیا اور حق واضح ہو گیا۔

دوسری عنایت یہ تھی کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون میں سے ایک ایماندار شخص کو ان کے پاس بھیجا۔ اس نے فرعونیوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ان کو ان کے ارادے سے روک دیا اور ان کو شک میں ڈال دیا۔ پھر ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ چند روز کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈھیل دی جائے اور جادوگروں کو ان کے مقابلے کے لیے طلب کیا جائے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح وہ جیت جائیں گے۔ حق یہ ہے کہ یہ ایک تقریب تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حق پر ہونا اور ان کے معجزے کا ظہور (لوگوں پر منکشف) ہو۔

تیسری عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کو حق بات کی ہدایت دی تاکہ آپؑ کی حجت (مخالفوں پر) صریح تر ہو کہ جو شخص آپؑ کے مقابلے کے درپئے تھا، وہی آپ کا فرماں بردار ہو گیا۔

چوتھی عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نو واضح آیات[1] کے ساتھ فرعونیوں کی آزمائش

---

[1] ان آیات کا بیان سورۂ اسراء آیت ۱۰۱ میں آیا ہے اور یہ آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے قطعی دلائل کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان آیات کی تعیین میں مفسروں کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، عکرمہؒ، شعبی اور قتادہ کی رائے میں وہ علامات یہ ہیں: ہاتھ کا روشن ہونا، لاٹھی، قحط کے سال، پھلوں کا کم ہونا، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون۔ حافظ ابن کثیر اس قول کو قوی اور اچھا کہتے ہیں (دیکھیے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۶ طبع مصطفیٰ محمد مصر)۔

کی۔ جب (ان پر کوئی مصیبت آتی تھی اور) حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ہٹانے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے تو اللہ اس کو ہٹا دیتا تھا اور جب اس کے نازل کرنے کے لیے دعا کرتے تھے تو اس کو نازل کرتا تھا۔

پانچویں عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا کی طرف جانے کا حکم فرمایا۔ جب آپؑ اپنی قوم کو لے کر نکلے تو فرعون نے اپنے لشکر کو لے کر ان کا تعاقب کیا۔ حضرت موسیٰ جب دریا پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ایک تیز ہوا کو دریا پر مسلط کیا جس نے دریا کے ایک حصے کو پھاڑ دیا اور ایک کو خشک کر دیا اور اس نے اس کے ایک حصے میں ایسا تصرف کیا جس طرح وہ زمین کے اجزا میں تصرف کرتی ہے۔ اور وہ بگولا بن جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کیا۔

اس کے بعد جب بنی اسرائیل بیت المقدس کو چلے تو ایک ایسی قوم پر گزرے جو بت پرستی کرتی تھی۔ (اس کو دیکھ کر) بنی اسرائیل کے جاہل لوگوں نے جن کے دل میں ایمان کی تازگی داخل نہ ہوئی تھی، حضرت موسیٰ سے کہا کہ جیسے اس قوم کے لیے خدا ہیں، ہمارے لیے بھی خدا بنا دے۔ اور یہ بات ان سے اس لیے صادر ہوئی کہ ان کی جبلت کو جبروت کی طرف التفات نہ تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مواعظ (اور نصیحتوں) کے کوڑوں سے تادیب کی تو انھوں نے جبروت (ذاتِ باری) کے مشابہ صورت کی طلب کی جس کو دیکھ کر وہ جبروت کی طرف التفات کریں۔ (اس کے جواب میں) حضرت موسیٰ نے ان کو حق سمجھایا اور ان کی بات کو غلط بتایا۔ تو وہ زبردستی (اپنے خیال سے) رک گئے اور بحالتِ شک خاموش ہو گئے۔ سامری

ان کی اس حالت کو تاڑ گیا، پھر اس نے ان کے ساتھ وہ کیا جو کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ وہ اس بے برکت والی جگہ میں مناجات کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو توریت کی تختیاں اور احکامات عنایت کرے گا۔ اس مبارک جگہ کی خصوصیت اس لیے تھی کہ وہاں ملائکہ کی روحانیات کا اجتماع ہوا تھا اور اس اجتماع کی وجہ سے ظاہری خبریں ناپید ہو گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں اعتکاف میں بیٹھ گئے اور تنہا ہو کر اللہ کا ذکر کیا اور ملکوت سے مشابہت پیدا کی۔ اور جب اس جگہ کو دیکھا جس میں اللہ تعالیٰ نے تجلّی فرمائی تھی تو اس حالت کے فرماں بردار ہو گئے اور اس سے ان کو سرور حاصل ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت کی تختیاں عنایت کیں جن میں ہدایت اور رحمت تھی۔ یعنی نصیحتیں۔ اور خدا کی طرف سے (انبیاء علیہم السلام کی نصرت کے) گزشتہ واقعات اور اللہ کی صفات اور اس کے غالب افعال کا بیان تھا۔ تختیوں کا جوہر جنّت کے زمرّد سے تھا یعنی ایسے جوہر سے بنا ہوا تھا جو زمرد سے مشابہت رکھتا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی عنصری سبب کے بغیر اپنے حکم "کُن" سے پیدا کیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے (کوہ طور پر) جانے کے بعد سامری نے لوگوں کو اس طرح گمراہ کیا کہ روح (جبریل) کے قدم سے مٹھی بھر مٹی لے کر بچھڑے کے قالب میں ڈال دی۔ اس کی یہ خاصیت تھی کہ جس شے پر گزرتی تھی، اس میں اس کی مناسب زندگی لوٹ آتی تھی۔ یہ واقعہ فی الحقیقت بنی اسرائیل کے اچھے لوگوں کے لیے باعثِ رحمت اور جہلا پر ان کی عزت کا باعث تھا جب تک وہ اس کے لیے تیار رہے۔

یہ اس طرح ہوا کہ بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ طبعی طور پر دجال تھے۔ وہ غیر اللہ کی عبادت کی طرف مائل تھے، اور وقتاً فوقتاً ان پر کفر کے اوہام گزرتے تھے۔ اللہ نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ایسے لوگوں سے صاف کر دے۔ بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ اگر وہ اس دنیا میں باقی رہتے تو ایمان کی حقیقت کو کبھی نہ پہنچتے، اس لیے کہ ان کی ارضی (اور گھٹیا درجے کی) طبیعتیں ان کو اس سے روک رہی تھیں۔ ان کی بھلائی اس میں تھی کہ ان کو فرمانبرداری کی حالت میں قتل کیا جائے تاکہ عالم برزخ میں جا کر ان کی روحیں ترقی کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بلایا اور اس کے اشکال کو زائل کیا اور اس کو بددعا دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی یہ عنایت ہوئی کہ جب ایک جماعت نے آپ پر ادرۃ (فوطوں کے بڑھ جانے) کے عیب کا طعنہ دیا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کے وقت حیا کی وجہ سے پردہ کرتے تھے اور لوگوں نے اسے ان کا عیب چھپانا خیال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بری کیا اور وہ اللہ کے ہاں بڑے عزت والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے حق میں کسی کا بھی طعنہ دینا پسند نہ تھا۔ اس کی یہ صورت ہوئی کہ حضرت موسیٰ پانی سے گزرے تو وہاں غسل کرنے کا ارادہ فرمایا اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے۔ پتھر کپڑے لے کر زمین پر لڑھکا۔ قوم نے ان کو برہنہ دیکھ لیا اور موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ادرۃ کے عیب سے پاک ہونے کی گواہی دی۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ کی عنایت پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوئی ہے اور ان کو ملاء اعلیٰ سے قوی مشابہت حاصل ہو گئی ہے تو انھوں نے

اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو ظاہراً دکھائی دے۔ یعنی نفس کلیہ پانچویں عنصر (مثال)
کے ایک حصے کو احاطہ کرے اور وہ اس کے اندر ایسے جسم نورانی کا تصور کرے جو حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب کی معرفت کی عکاسی کرے۔ موسیٰ علیہ السلام کو حق کی طرف
سے اپنی پہچان کا علم عطا کرنا اس نورانی جسم کے لیے روح کی حیثیت ہو اور اس کا جسم
ملاء اعلیٰ سے ہو۔ اور روح و جسم کا باہمی اختلاط اس طرح ہو جائے کہ ان میں سے ہر
ایک کی حالت کی نسبت دوسرے پر جسم اخروی کی طرح صادق ہو۔ حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے اس قول اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ[1] (مجھے دکھائیے کہ میں تیری طرف دیکھ
لوں) کا مطلب یہی ہے۔

یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نفس اولیٰ کے تصرفات کی معرفت کی وجہ سے
صادر ہوئی، اور یہ تب ہوتا ہے جب اللہ کے پیاروں میں سے کسی ایک کی ہدایت
کے لیے نفس کی طرف سے ارادہ اور اہتمام ہوتا ہے جیسا کہ ان کو آگ کی طرف شوق
کے وقت تھا۔ لیکن شروع سے ہی موسیٰ علیہ السلام کو حق کی طرف توجہ عطا
کی گئی تھی اور خلق میں حق کے ساتھ تصرف کرنا آپؑ کو نہ ملا تھا۔ اس لیے اس
روز ان کی حدت مزاج کا خیال رکھتے ہوئے حق تعالیٰ نے آگ کی صورت میں تجلی
فرمائی اور اس آگ نے ان کو نہیں جلایا۔ اور اگر حق تعالیٰ آج تجلی فرمائے تو وہ ایسی جلانے
والی آگ سے تجلی ہوگی کہ جو شے بھی اسے چھوئے گی وہ شے جل جائے گی۔ کیوں کہ وہ
تجلی تو حق کے آئینے میں موسیٰ علیہ السلام کی اپنی صورت تھی۔ اس سے حضرت موسیٰ
علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ جب حق کے آئینے میں کسی شے کے ذریعے تجلی کرتا ہے

---

[1] سورۂ اعراف آیت ۱۴۲۔

تو اس شے کی صورت کے سوا اور کسی میں نہیں کرتا۔ پھر وہ شے حسب استعداد حق کی صورت کو لے آتی ہے۔ ایک پیغمبر اس علم سے ہرگز جاہل نہیں رہ سکتے۔ آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ جو وہ ایسی حالت میں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تجلی فرمائے گا تو ان کا جسم تلف ہو جائے گا۔ دوسری طرف لوگوں پر اللہ کی رحمت چاہتی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام باقی رہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی تو پہاڑ پھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو آپ پر سارا راز کھل گیا اور آئندہ کے لیے اپنی استعداد کے نامناسب سوال سے توبہ فرمائی۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے وہی سوال کیا جو موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا کیونکہ نفس کلیہ کے مظاہر کی طرف آپ کو جو اشتیاق تھا، وہ ان کی قوم کے دلوں میں منعکس ہوا تھا۔ آخر حق تعالیٰ نے برق کی صورت میں تجلی فرمائی۔ اور ان سب کو تلف کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرما کر ان کو زندہ کر دیا۔ اور انہیں حکم دیا کہ ارض مقدس میں سکونت اختیار کریں۔ اور یہ زمین ان کو بطور جاگیر عنایت فرمائی۔ جب کہ اس زمین پر جابر لوگوں کا قبضہ تھا۔ اس لیے بنی اسرائیل کو ان سے جہاد کرنے کا حکم ملا۔ اور ان کو مدد اور نصرت کا وعدہ کیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلے پر ایک سردار مقرر کیا کہ وہ ان کے حالات سے باخبر ہو اور انہیں نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔ اور اس طرح قوم کے اخلاقی مدرجات ان کے سامنے واضح ہو جائیں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سرکشوں کی طرف جاسوس بنا کر بھیجا وہاں کے حالات معلوم کرنے کے بعد صرف دو شخصوں نے تو ایسی خبر دی جس سے بنی اسرائیل کی شجاعت بڑھی، اور باقی لوگوں نے ایسی خبر

سنائی جس سے وہ سست (اور بزدل) بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو پر رحم کیا اور ان کو صدیق اور نائب بنایا اور باقی لوگوں سے سخت ناراض ہوا۔ اور ان کو تباہ کر دیا۔

جب جاسوسوں کی لائی ہوئی خبروں میں اختلاف ہوا تو بنی اسرائیل نے جابر لوگوں کے مقابلے میں بزدلی دکھائی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کیا کہ ایک مدت تک انہیں تیہ دبڑے صحرا میں حیران و پریشان رکھا کہ راستہ نہ پا سکے اور ان کا زاد راہ ختم ہو گیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پوری ہمت سے دعا کی (یہ دعا مستجاب ہوئی۔) اللہ تعالیٰ نے ان کو منّ اور سلویٰ جیسا رزق عطا کیا۔ جس کی تدبیر اسباب کے قبض اور بسط سے فرمائی۔ اور ان کے لیے سائے کے مشابہ ایک گاڑھا بادل مقرر کیا جو بادل ان کو دھوپ سے بچاتا تھا۔ اور ستون کی طرح ان کے لیے آگ کو بھی بنایا، یہ آگ ان کو مشعلوں اور چراغوں کا کام دیتی تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کے کپڑوں میں برکت دی کہ وہ نہ تو میلے ہوتے تھے اور نہ پھٹتے تھے۔ یہ سب بادل اور برق کے مادے میں تصرف کرنے سے ہوا تھا۔ اس کے لیے علم طبیعی میں کئی نظائر موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو الہام ہوتا تھا۔ پھر وہ ایسے پتھر کو مارتے جس میں پانی کے بہانے کی قریبی استعداد ہوتی۔ تو وہ پھٹ جاتا اور اس سے پانی جاری ہوتا اور اس کو قبائل کی تعداد کے مطابق بارہ چشمے بنا دیتے تھے۔

جابر لوگوں میں ایک شخص انبیاء کے علوم کو جانتا تھا۔ اور ان کی کتابیں اس نے یاد کر رکھی تھیں۔ وہ شیطان کا مطیع بن گیا اور دنیا کی طرف جھک گیا۔ اس نے اپنے

لوگوں سے کہا کہ بدکار عورتوں کو بنی اسرائیل کی طرف بھیج دو تاکہ ان میں فسق و فجور پھیل جائے اور اس طرح ان سے برکت نکل جائے اور عنایت (الٰہی) میں پراگندگی ہو کیونکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی محبوبیت کی وجہ سے اگرچہ ان میں برکت تھی جو نصرت کی ضامن تھی۔ لیکن بنی اسرائیل میں فسق و فجور کا غلبہ ہو گیا تھا۔ اور وہ ان کی رسوائی کا سبب بنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدکار عورتوں کے نکالنے کی توفیق عطا ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے جابر قوم سے قتال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس ملک پر غلبہ دیا اور ان کو وہاں بسایا جہاں سے کوئی ان کو ان کے اعمال کی جزا کے سوا نکالنے والا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سرزمین کا بادشاہ بنا دیا۔ وہ بڑے آرام اور آسودگی میں تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ان میں جمعیت پیدا کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو تورات کی تعلیم دیتے تھے۔ اور وعظ کرتے تھے اور ان کو پاک کرتے تھے۔ ان کے اندر شرعی حدود کو قائم کرتے تھے اور ظالم سے مظلوم کی داد رسی کرتے تھے۔ اللہ کا اپنے محبوب بندوں کے ساتھ یہی دستور رہا ہے۔ ان کے لیے دنیا کو آسان کرتا ہے۔ ان کو گفتار کے سچے اور لوگوں میں مقبول بناتا ہے۔ اگر کسی قوم نے اللہ پر توکل کیا اور بلا کسی تردد اور پریشانی کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو اللہ ان کو اپنی طرف سے رزق عطا کرتا ہے۔ اور ان کی کھیتیوں، پھلوں اور کمائی میں برکت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جن علوم کی تعلیم دی تھی ان میں سے ایک علم کیمیا بھی تھا۔ قارون کو یہ خبر پہنچ گئی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ کیمیا کی وجہ سے وہ بڑا مالدار بن گیا۔ اس نے دنیا کے غرور میں سرکشی

کی اور باغی بن گیا۔ وہ اول وآخر کو بالکل مقبول گیا۔ اور وہ بھی فرعونیوں میں ایک فرعون تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو روکا۔ لیکن وہ نہ رکا۔ الٹا حضرت موسیٰ سے بغض رکھنے لگا۔ اور ان کو زنا سے متہم کیا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پوری ہمت سے اس کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسایا۔

اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ایک بڑی نشانی تھی تاکہ لوگ جانیں کہ جو شخص اللہ کے نبیوں سے تکبر کرتا ہے اور ان سے بغض رکھتا ہے۔ وہ دنیاوی زندگی سے مطمئن ہے اور اللہ کے حق کو بھلا دیتا ہے تو اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عذاب کے اقسام میں سے اس قسم کو اختیار کرتا ہے جو اس دن اسباب طبعیہ کے بہت قریب تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں یہ تھا کہ میں سب لوگوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ اس لیے انہوں نے مزید علم کی طلب میں توقف کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے واقعے کے ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا جو ان کو مزید علم کی طلب کے لیے رغبت دلاتے۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اسی امر پر اکتفا کیا کہ فرمایا وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا (اے میرے پروردگار! میرے علم کو بڑھا)۔[1]

یہ اس لیے ہوا کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کے لیے وقت کی صورت میں تجلی کرتا ہے اور جن علوم کی تجلی تقاضا کرتی ہے، وہ علوم اس شخص کے پاس متمثل ہوتے ہیں۔ تو وہ ان علوم کے سوا دوسرے علوم سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ان دوسرے علوم کے اثبات یا انکار سے اس کا سروکار نہیں ہوتا۔ بلکہ مطلقاً ان کو بھول جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی آہستہ آہستہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ جہاں تک

---

[1] سورت طٰہٰ آیت ۱۱۴

اللہ چاہتا ہے اور محبوب کو اکثر پریشانی نہیں ہوتی اور نہ حد سے زیادہ شوق ہوتا ہے ۔

الغرض ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں لوگوں کو وہ تعلیم دینے لگے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی تھی ۔ آپ کی تقریر اتنی مؤثر تھی ۔ کہ لوگوں کے دلوں پر چھا گئی ۔ تب ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ! آپ سے علم میں کوئی شخص زیادہ بھی ہے ؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے سے زیادہ کوئی عالم نہیں دیکھتا[1] اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی کی کہ ہمارا ایک بندہ خضر[2] تجھ سے علم میں زیادہ ہے ، یعنی خاص اوقات میں جو الٰہی تدبیر ہوتی ہے ، اس کے جاننے میں ۔ اور جب اللہ کسی شے کی تدبیر کی تکمیل کا ارادہ کرتا ہے تو خدا کا ہجارحہ بن کر اس تدبیر کو بروئے کار لانے میں وہ تجھ سے زیادہ معلومات رکھتا ہے ۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام احکامِ کلیہ اور عام لوگوں کے لیے جو شرائع مقرر ہیں ، ان میں اس سے زیادہ علم رکھتے تھے ۔ اسی طرح دین کی اقامت

---

[1] امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ مجھ سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دینے لگے تو ان سے یہ سوال کیا گیا کہ لوگوں میں کون سب سے زیادہ علم رکھتا ہے ؟ حضرت موسیٰ نے کہا کہ میں ۔ اس پر اللہ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ ان کو اس بارے میں خدا کی طرف رجوع کرنا تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ مجمع البحرین کے پاس میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے ۔ یہ ایک طویل حدیث ہے ۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۸۷ ۔ طبع اصح المطابع کراچی)

میں اللہ کا جارح بننے میں بھی اس پر فوقیت رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا۔ کہ اس سے کہاں کر ملاقات ہو گی؟ آپ کے دل میں یہ ڈالا گیا کہ اس کی طرف راستہ بتانے والی نمک لگی ہوئی مچھلی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نہ معلوم ہو سکا۔ کہ یہ مچھلی خضر کا پتہ کیسے بتائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک جوان یوشع علیہ السلام دونوں خضر کی تلاش میں نکلے اور اپنے ساتھ زنبیل میں جو کی روٹیاں، اور نمکین مچھلی کو لیا اور چل پڑے۔ چلتے چلتے جب ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام سفر کی تھکان کی وجہ سے وہاں سو گئے اور یوشع علیہ السلام وضو کرنے بیٹھ گئے۔ (وضو کے) پانی کی بوند جو اس مچھلی پر پڑی تو وہ زندہ ہو گئی اور دریا میں گر پڑی اور جہاں سے وہ مچھلی دریا میں گئی وہاں ایک خشک راستہ ظاہر ہو گیا۔ یہ واقعہ اس لیے ظاہر ہوا کہ پانی میں جانوروں کے زندہ کرنے کی خاصیت موجود ہے۔ پانی کی اس خاصیت میں برکت پیدا کی گئی۔ اور اس طرح ان دونوں نے اس علامت سے خضر کو پایا۔

ان دونوں کا حال یہ ہے کہ حضرت خضر نے ان کو ان واقعات میں سے ایسے تین واقعے دکھائے جن کی تقریب کی تدبیر اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے یا مخلوق کی اس میں اصلاح ہوتی ہے۔ پھر اللہ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو فضل مطلوب پورا کرنے میں اپنا جارحہ بناتا ہے۔ (حق بات یہ ہے کہ) شرائع کا مدار احکام کلیہ اور حکم کے موقع پر ہوتا ہے۔ اور تقریبات کا مدار جزئی مصلحتوں پر ہے۔ اور ہر فیصلہ (وقت اور حالات) کے موافق ہوتا ہے۔ یہ باتیں سب علموں سے باریک تر ہیں۔ ان کو صرف وہی شخص جانتا ہے جو حق کا جارحہ بنتا ہے۔ پھر واقعہ کے بعینہ راز کو معلوم کر لیتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو کئی بار اس علم سے ذہول ہوا۔ مثلاً اس وقت جب انہوں نے رویتِ باری کا مطالبہ کیا اور اس وقت بھی جب قبطی کے قتل سے توبہ کی۔ اور اس وقت جب حضرت آدم علیہ السلام سے حجت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ احکام شرعیہ میں دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھتے تھے، لیکن یہ اللہ کی حکمت تھی کہ انہیں اس جیسی بات دکھائے جو ان کے لیے واقع ہوئی تھی۔

پھر حضرت خضرؑ نے اس خوف سے کہ ظالم بادشاہ کشتی کو غصب نہ کر لے کشتی کا تختہ نکال لیا، اور اللہ تعالیٰ نے کشتی کو اس طرح ڈوبنے سے بچا لیا۔ کیونکہ جب موج کشتی پر آتی تھی تو اس کی رفتار سخت تیز ہو جاتی تھی۔ اس طرح پانی کی سطح نہ پہنچی۔

اسی طرح حضرت خضرؑ نے ایک لڑکے کو قصاص کے بغیر اس لیے قتل کیا کہ وہ طبعاً کافر تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو اس سے جبلت کے احکام (کفر وغیرہ) صادر ہوتے اور اپنے کفر اور سرکشی کی وجہ سے اپنے ماں باپ کو تنگ کرتا، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس کا اچھا بدلہ دیا۔

(تیسرا واقعہ یہ ہوا کہ) حضرت خضرؑ نے ایک دیوار کی اصلاح کر کے اس کو گرنے سے بچا لیا۔ اور یہ اس لیے کیا کہ اس کے نیچے اللہ کے ایک صالح بندے اور پیارے انسان نے مال چھپا رکھا تھا اس کی حفاظت ہو جائے کیونکہ اس کا وارث ایک یتیم بچہ تھا۔[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا ایک بڑا واقعہ یہ (بھی) ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] یہ قصہ سورہ کہف میں آیت ۶۰ سے ۸۲ تک آیا ہے۔

نے ایک ایسے لڑکے پر جو اپنی ماں کا فرماں بردار تھا رحمت کرنی چاہی۔ کیوں کہ اس کے باپ نے اس کو اللہ کے حوالے کر دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی اس کے لڑکپن سے کفالت کی یہاں تک کہ وہ جوان ہوا تو اللہ نے ارادہ کیا۔ کہ اس پر اپنی نعمت کرے۔ اور یہ بھی ارادہ کیا۔ کہ جس نے اس کے قریبوں میں سے کسی کو مار ڈالا تھا، اس کو یہ جتا دے کہ اس کو مدد نہ ملے۔ اور اس کی رسوائی ہو اور اس کو قصاص میں قتل کیا۔ اور بنی اسرائیل پر رحمت کرنی چاہی تا کہ وہ یہ جان لیں کہ آخرت میں لوگوں کو زندہ کرنے کا جو وعدہ اللہ نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔ اور یہ بھی جان لیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس چیز کا حکم دیا تھا، وہ بظاہر اگرچہ بعید ہے لیکن اس کی اطاعت ضروری ہے۔ کیوں کہ اس میں ایک ایسا راز ہے جو ابھی منکشف نہیں اور یہ بھی جان لیں کہ اللہ کے حکم کے معاملے میں تشدد اور گہرائی میں جانا بے ادبی ہے۔ ان عنایتوں سے اللہ تعالیٰ نے واقعہ معلومہ کو پورا کیا۔[1]

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رحمت کی طرف اٹھایا تو بنی اسرائیل کی خوب حفاظت فرمائی۔ ان میں انبیاء کو بھیجا۔ تا کہ وہ ان کو ڈرائیں۔ خوش خبری سنائیں۔

---

[1] یہ واقعہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا ہے جس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ اور اس کا بھتیجا اس کا وارث تھا۔ اس نے اپنے چچا کو قتل کر کے دوسرے شخص کے دروازے پر پھینک دیا۔ اور اس کے خلاف قتل کا مدعی بن گیا۔ اس پر دونوں فریقوں میں جھگڑا پیدا ہوا۔ قتل و خون ریزی کی نوبت قریب تھی تب ایک شخص نے دونوں سے یہ کہا۔ کہ تم کیوں جھگڑتے ہو۔ حالاں کہ اللہ کے رسول تمہارے اندر موجود ہیں۔ تب وہ مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور انہیں سارا قصہ عرض کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو گائے کے ذبح کا حکم فرمایا۔ وہ اس کو مذاق سمجھنے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۰۰ مطبوعہ مصر)

وعظ و نصیحت کریں۔ انہیں نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔ اس کا نام استطاعت میسّرہ آسان بنانے والی قدرت ہے۔

ان میں سے کوئی بادشاہ ہوا جیسے یوشع علیہ السلام۔ کوئی عالم جیسے اشعیاء، یسع، اور شمویل علیہم السلام اور کوئی قوی ریاضت والا زاہد جیسے الیاس علیہ السلام۔ یہ سب مصلحت کی اقتضا تھی۔ اور ہر وقت اقرب اور اسہل کے انتخاب کا خیال رکھا جاتا تھا۔

جملہ انبیاء علیہم السلام باہم بنو علات ہیں۔ یعنی ان سب کا باپ ایک ہے، جو کہ نبوت کی مناسب تربیتِ الٰہی سے عبارت ہے۔ اور ان کی مائیں الگ الگ ہیں۔ اور یہ وہبی اور کسبی استعدادات کا نام ہے۔ بنی اسرائیل جب تک توریت کی اطاعت کرتے رہے اور اس کے احکام بجا لاتے رہے، اللہ ان کو برکت عطا کرتا رہا اور جب بھی انہوں نے احکام کی نافرمانی کی تو خدا نے ان سے انتقام لیا۔ اور جب ان پر کوئی آفت آتی تھی تو اس سے نکلنے کی تدبیر بھی، ان کے دلوں میں ڈال دی جاتی تھی اگر اس سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ اس کا نام الٰہی سیاست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

شمویل و داؤد و سلیمان و یونس علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے توریت میں یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل دو مرتبہ غلبہ حاصل کریں گے۔ فساد و کفر برپا کریں گے اور ہر مرتبہ ان پر بڑی قوت والے اور طاقت ور لوگوں کو بھیجا جائے گا۔ وہ ان کے گھروں میں گھس جائیں گے۔ جب پہلا وعدہ آ پہنچا تو انہوں نے توریت کے احکام کی نافرمانی کی۔ اور ان کو سزا دینے کے لیے اللہ نے ان پر جالوت کو مسلط کیا۔ جس نے کچھ کو قتل اور قید کیا اور وہ صندوق جس میں آل موسیٰ و ہارون کی تبرکات تھیں چھین کر لے گیا۔ اس پر بنی اسرائیل غمگین ہوئے اور توبہ کی۔ اپنے نبی شمویل علیہ السلام کی طرف رجوع ہوئے اور ان سے یہودیوں کے لیے بادشاہ کی طلب کی، کیونکہ ان کو علم تھا کہ دشمن کی بڑی جمعیت کا مقابلہ تب ہی ممکن ہے جب سب کی رائے مجتمع ہو۔ اور ملکی انتظام کے لیے ایک شخص کی قیادت ہو۔ اللہ کی حکمت میں یہ ضروری تھا کہ جس سے چاہے کافروں کو دفع کرے۔ لیکن یہاں اس طور دفع کیا کہ مومنوں کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ وہ جہاد کریں اور انہیں ثابت قدم رکھا اور حوصلہ بڑھایا۔ اور ان کے دشمنوں پر ان کو غالب رکھا۔ اور یہ نہایت قریبی تقریب اور تدبیر تھی اور یہ طبعی مصلحتوں کے بھی زیادہ موافق تھی۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی

متعدد عنایات تھیں۔

اول عنایت یہ تھی کہ جب طالوت بادشاہ ہوئے تو بنی اسرائیل نے اس میں یہ عیب نکالا کہ پہلے ملکی انتظام سے اس کا کوئی واسطہ نہ پڑا ہے اور نہ یہ مالدار ہے تو شمویل علیہ السلام پیغمبر نے ان کے اس اعتراض کو اس طرح دفع کیا کہ اللہ اپنی خلق میں تدبیر کے لیے جو الہام فرماتا ہے۔ اس کا اتباع ضروری ہے۔ یہ سمجھانا بھی ان کے لیے مفید نہ ہوا۔ تب اللہ نے ایک نشانی ظاہر فرمائی جس سے وہ مطمئن ہو گئے اور وہ یہ تھی کہ ان کے پاس وہ صندوق واپس آ جائے گا جس میں آلِ موسیٰ و ہارون کی تبرکات تھیں، جس کو ملائکہ اٹھائے ہوئے تھے۔[1]

اور یہ اس طرح ہوا کہ وہ لوگ باہمی اختلاف اور قحط جیسے مصائب میں مبتلا ہو گئے۔ تب ملائکہ نے ان کے دلوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ صندوق کی وجہ سے ان مصائب میں مبتلا ہوئے ہیں۔ وہ اس صندوق کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک ہٹاتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کو بنی اسرائیل کے ملک کے متصل پہنچا دیا اور اس کو ایک گاڑی میں رکھ کر اس خیال سے بنی اسرائیل کی طرف بھیج دیا کہ وہ ان مصائب میں مبتلا ہو جائیں۔ فی الحقیقت ان کے لیے یہ ایک تقریب اور تدبیر تھی۔ جب ان کی کوشش کے بغیر ان کے پاس صندوق آ گیا تو یہ ان کے لیے دفتح کی ایک علامت تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے تبرکات کو دیکھ کر وہ مانوس ہو گئے اور ان کا خوف کافور ہو گیا۔ اس ضمن میں ان کو اطمینان و آرام حاصل ہوا اور یہ تصدیق ہوئی کہ بادشاہ غیب سے مؤید اور مبارک ہے۔

---

[1] یہ قصہ قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت ۲۴۸ میں آیا ہے۔

دوسری عنایت یہ تھی کہ طالوت کو اپنے لشکر کی حالت اور ان کی بہادری اور قوتِ قلبی کے معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ ہر ایک پر اس کی قوت کے مطابق اعتماد کرے۔ اس کے لیے کافی تجربہ اور وسیع وقت کی ضرورت تھی۔ طالوت جلدی میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ایک نہر ظاہر کی۔ وہاں ان کی آزمائش ہوئی اور طالوت نے کہ ایک چلّو کے سوا پانی پینے سے منع کیا، اور یہ ظاہر میں وثوق قوتِ قلبی اور طبیعت کے انقیاد کی علامت تھی۔ اور اس کی بھی کہ وہ عظمت کے مرافق خوفناک جگہوں میں گھسنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ خوفناک موقعوں میں گھسنے سے عقل طور پر بہادری اور بادشاہ کی اطاعت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حادثے میں برکت دی، اس لیے طالوت کے اس پانی نہ پینے والے حکم کی اطاعت صرف ان لوگوں نے کی جو کامل طور پر بہادر اور فرماں بردار تھے۔ اس طرح طالوت بہادروں اور فرماں برداروں کو پہچان گئے۔ اب جب وہ طالوت کے مقابلے کے لیے نکلے اور اس کے پاس ایک بڑا اور شان و شوکت والا لشکر تھا تو صرف وہی اس کے مقابلے کے لیے ٹھہر سکے جن میں طالوت نے بہادری کو معلوم کیا تھا۔

تیسری عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت داؤدؑ کو بنی اسرائیل میں صادق سمجھا جائے اور وہ ملک کے والی بنیں تو اللہ نے ایک پتھر کو اس طرح گویا کر دیا۔ کہ جب حضرت داؤد اس کے پاس سے گزرے تو پتھر کی حقیقت ان پر کھل گئی۔ گویا کہ حضرت داؤدؑ پتھر کی زبانی سن رہے ہیں کہ جالوت اس پتھر سے قتل ہوگا۔ اور دوسری طرف طالوت کے قلب کو مضطر کیا کہ اس نے جالوت کے قاتل کے لیے یہ شرط لگا دی کہ جو اس کو قتل کرے گا اس کو آدھا ملک ملے گا اور طالوت اپنی بیٹی کا نکاح بھی

اس سے کرے گا۔ پھر اللہ نے حضرت داؤد کے دل کو شجاعت بخشی اور ان کے ہاتھ کو جس میں پتھر تھا، جالوت کے نتھنوں کے مقابل کیا اور پھر ہوا کو حکم دیا کہ پتھر کو اس کے نتھنوں تک پہنچائے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جالوت کو ہلاک کیا اور اس نے بنی اسرائیل کی مدد، کافروں کو دفع کرنے، داؤد علیہ السلام کی شان کو بلند کرنے اور ان کو بادشاہ بنانے کا جو ارادہ فرمایا، اس کو پورا کر دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام ایک بہادر اور طاقت ور انسان تھے اور ملکی سیاست کے ماہر تھے۔ اس لیے خدا نے ان کو ملک میں خلیفہ بنایا اور انہیں امامت عطا کی اور بنی اسرائیل کی قیادت ان کے ہاتھ میں دی۔ اور ان کا بنی اسرائیل پر حق قائم کیا اور ملاء اعلیٰ میں یہ لکھا کہ اگر وہ داؤد کی نافرمانی کریں گے تو وہ اللہ کے نافرمان ہوں گے اور اگر وہ داؤد کی اطاعت کریں گے تو یہ اللہ کی اطاعت ہو گی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان میں اچھی طرح حکومت کی۔ ان کے اندر شرعی حدود جاری کیں۔ کافروں سے جہاد کیا۔ مشکل معاملوں کے فیصلے کیئے۔ اللہ کے احکام کو رائج کیا اور بنی اسرائیل کے مختلف قبائل میں باہمی الفت پیدا کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا عبادت کرنے اور اللہ کے سامنے عجز ظاہر کرنے کا اچھا طریقہ تھا۔ اللہ نے ان پر زبور نازل کی۔ جس کے ایک سو پچاس حصے تھے۔ اور ہر ایک حصہ دعا، عاجزی اور دنیا و آخرت میں طلب خیر پر مشتمل تھا اور اس میں اللہ سے پناہ مانگنے کی دعائیں تھیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں کاریگری تھی۔ ان کو زرہ بنانے کا الہام ہوا۔ یہ خدا کی طرف سے ان پر رحمت تھی۔ تاکہ وہ کشادہ رزق والے ہوں اور لوگوں کے

لیے بھی اس میں بھلائی تھی کہ ان کو خوف سے محفوظ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر کلامِ الٰہی پڑھنے کو آسان کر دیا تھا۔ وہ تھوڑی مدت میں اتنا پڑھ جاتے تھے کہ دوسرا اس مدت میں نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور قوتِ خیالیہ میں برکت دی تھی۔ اس لیے وہ معمولی ساعت میں ہر لفظ کو واضح طور پر خیال میں لاتے تھے اور اس کے موافق تیزی سے تلفظ بھی فرماتے تھے۔ خدا نے ان کو اچھی آواز دی تھی جس سے لوگوں اور چوپایوں دونوں پر اس کا اثر ہوتا تھا اور پہاڑوں کو بھی اس کا مطیع کیا تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تھے۔ تو وہ صبح و شام اس کا جواب دیتے تھے۔ اس کی یہ صورت تھی۔ کہ گنبد میں جب بولا جائے تو اس کا جواب مل جاتا ہے، اسی طرح پہاڑوں سے بھی آواز آتی تھی۔ پھر اس میں برکت ہوئی اور اس سے لفظ نکلتے تھے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ قوی ہمت والا نفس جب کسی کیفیت سے پُر ہو جاتا ہے تو اس سے قریب نفوس اور طبائع میں بھی اس کی کیفیت سرایت کرتی ہے اور جب وہ کسی پتھر یا درخت سے وقت کے مقتضا کے موافق کوئی معرفت سنتا ہے تو اس کی قوت دوسرے لوگوں میں بھی سرایت کرتی ہے اور پھر وہ بھی اسی طرح سنتے ہیں۔ جس طرح اس نے سنا تھا۔

داؤد علیہ السلام کی آواز اچھی تھی۔ اور وہ تالیفی طبیعت[1] کے مالک تھے۔ خدا کی طرف سے اس میں برکت ہوئی اور ہر سانس میں طبیعتِ ایقاعی[2] رکھتے تھے۔ ان انفاس

---

[1] طبیعتِ تالیفیہ سے مراد آوازوں کو باہم ملا کر ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔

[2] طبیعتِ ایقاعی۔ سُر ملا کر گانا ایقاع ہے۔

میں بھی برکت ہوئی۔ تو ایک لذیذ ترجیع[1] وجود میں آ گئی۔ اسی کا نام مزامیر داؤد علیہ السلام ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے عجیب واقعات تھے۔ ایک یہ کہ جب ان کی ایک خوبصورت عورت پر نگاہ پڑی تو آپؑ نے اسے بے حد پسند کیا۔ اور وہ بڑی قوت باہ والے انسان اور اپنے مزاج کی قوت کی وجہ سے عورتوں کو محبوب رکھنے والے تھے انہوں نے اس عورت کے نکاح میں نامناسب رویہ اختیار کیا۔ شریعت نے جو اس کے لیے حد بنائی تھی اس کی رعایت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کو اس طرح تنبیہہ کی کہ ملائکہ کو مدعی اور مدعا علیہ کی صورت میں خصوم بنا کر بھیجا۔ ایک نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ جس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور میرے پاس صرف ایک بھیڑ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بھی مجھے دے دو۔ بات کرنے میں مجھ پر غالب آتا ہے[2]۔

حضرت داؤدؑ نے جو کام خود کیا تھا وہ عالمِ مثال میں متمثل ہو کر ان کے سامنے آ گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔ داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ ایک خواب تھا جس کی تعبیر انہیں تنبیہہ کرنا ہے جو ان سے نامناسب واقعہ سرزد ہوا۔ پھر اللہ سے مغفرت مانگی اور اس کی طرف رجوع کیا اور کفارے دیئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کیا[3]۔

---

[1] ترجیع: راگ کو حلق میں دہرانا۔ [2] سورۃ ص ۲۳

[3] مؤلف امام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے میں بعض تفسیروں کی موافقت کی ہے اصل واقعہ اس کے خلاف ہے۔

ہمارے استاذ علامہ عبید اللہ سندھی فرماتے تھے۔ کہ عہد عتیق میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے یہود نے کچھ ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو ہندوؤں کی کتابوں کے افسانوں

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت داؤد علیہ السلام کا دوسرا عجیب واقعہ یہ ہے کہ جب ایک رات وہ

(بقیہ گزشتہ حاشیہ) سے زیادہ مختص ہیں۔ حضرت استاد فرماتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کے اس قصے میں میرا ایک خصوصی فکر ہے۔ جس کو میں نے کسی سے نہیں لیا۔ یہ صرف خدا کی طرف سے فہم ہے جو مجھے عنایت ہوا اور میری اپنی کوشش ہے۔ اس کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ حکومت کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ شاہ شہیدؒ نے ان کو اپنی تالیف "منصب امامت" میں ذکر کیا ہے۔ میں ان میں سے یہاں صرف اسلامی حکومت کے اندر جو دو درجے ہیں ان کو نقل کرتا ہوں (۱) ایک درجہ خلافت راشدہ ہے۔ جس کی سیرت اور صورت اس عقلی قانون پر ہے جو اہل امانت کے ہاتھوں کتاب کریم میں معروف ہے۔ اس درجے میں مال کا جمع ہونا لوگوں کی تحقیر کرنا اور کسی کو غلام بنانا نہیں ہوتا (۲) یہ دوسرا دور خلافت کے بعد کا درجہ ہے اس میں پہلے دور کے آثار ایک ایک ہو کر کم ہوتے جاتے ہیں، اور اس کا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسکینوں سے ٹیکسوں وغیرہ کے ذریعے مال لے کر ایک قوم (سرمایہ داروں) کو دوسری قوم (عوام) پر فوقیت دی جاتی ہے۔ اس میں سرمایہ داروں سے گرفت نہیں کی جاتی۔ ابتدا میں تو یہ معمولی بات نظر آتی ہے اور لوگوں کو دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کا انجام بڑا ظلم ہوتا ہے۔ جو سب کو دیکھنے میں آتا ہے۔

خصوم والی مثال کا مقصد خلافت کے ان دو درجوں کا فرق بتانا تھا، یہ ایک ایسی حکیمانہ مثال ہے جس میں بڑے فوائد پنہاں ہیں "یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور میرے پاس ایک بھیڑ ہے۔" یہ بادشاہ اور رعیت کے ایک فرد کی مثال ہے۔ رعیت کے ایک فرد کے مال و دولت کی نسبت بادشاہ کے سرمایہ سے وہی ہے، جو ایک کو ننانوے سے ہے۔ بادشاہ اپنی قوت کے بل بوتے پر اس ایک حصے کو بھی

(باقی اگلے صفحہ پر)

ذکر الٰہی کر رہے تھے تو ان پر یہ انکشاف ہوا کہ بیت المقدس پر ملائکہ اتر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ جالوت کے دور میں منہدم ہو چکا تھا اور اس کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔ بیت المقدس میں بھی وہی عظیم راز (تجلی گاہ ہونا) پنہاں تھا۔ جیسا کہ بیت الحرام میں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رہنے کے لیے بیت المقدس کی جگہ کو معین کیا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کیا تھا۔ لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی راہ میں بڑا جہاد کیا اور آپ کے صحیفے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ وہ (جالوت) رب تعالےٰ کی کئی (شعائر اور) بنیادیں گرا چکا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس تعمیر میں انتقام اور غضب کی آمیزش ہوتی اور یہ کام خدمت کے طور پر نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور یہ سوال کیا کہ اس کو اس کی نیکیوں میں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) چھیننا چاہتا ہے۔ یہ ایک واضح مثال تھی جس سے حضرت داؤد علیہ السلام کو متنبہ ہوا اور سمجھ گئے کہ یہ ایک بڑا ظلم ہے اور یہ اس دور میں ہوا جب آپ خلیفہ نہ تھے۔ بادشاہوں کے نظام کے مطابق ملکی نظام چلاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس مثال سے سمجھ گئے کہ یہ ہماری آزمائش ہے۔ انہوں نے اپنے رب سے مغفرت چاہی ارکوع میں چلے گئے۔ اور خدا کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ خیال نہ تھا کہ لوگوں کی ضرورت کے لیے اگر ان سے حکومت مال لے گی تو اس سے ظلم واقع ہوگا۔ بعد میں ان کو حکم ہوا "اے داؤد ہم نے تجھے ملک میں خلافت عطا کی ہے لوگوں میں حق و انصاف سے فیصلہ کر۔ نفسانی خواہش کا اتباع نہ کر" یہاں ہویٰ اور نفسانی خواہش سے مراد ہے آخرت سے محروم ہو کر صرف دنیا میں انسان کی لذت والی چیزوں کی طرف نفس کا مائل ہونا (کتاب حروف اوائل السُّوَر عربی تالیف علامہ موسیٰ جار اللہ ص ۱۰۹ طبع بھوپال)

سے ایک نیکی بنا دے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں لوگوں نے سنیچر کے دن کا احترام چھوڑ رکھا تھا، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو شریعت نازل ہوئی، اس میں سنیچر کے احترام کا تاکیدی حکم تھا۔ حضرت داؤد کے دور میں لوگ (سنیچر کے دن) مچھلیاں پکڑتے تھے (اس حکم کی خلاف ورزی کے بدلے میں) اللہ تعالیٰ نے ان کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا۔ صورت یہ ہوئی۔ کہ اس نے مچھلی کو فاسد المزاج اور بدبودار طبیعت کا بنا دیا۔ جب وہ اس کو کھاتے تھے تو یہ فسادِ مزاج ان میں بھی سرایت کر گیا اور ان کے ابدان بگڑ گئے۔ اس سے پہلے خوراک سے جو نسمہ یا روح انسانی پیدا ہوتی تھی، اس کی پیدائش میں تبدیلی آ گئی۔ یہ تبدیلی بڑھتے بڑھتے تکمیل کو پہنچ گئی۔ تب ان کے بدنوں پر (بندروں کی طرح) بال نکل آئے۔ اور اللہ نے ان پر موت اور رسوائی کو مسلط کیا اور وہ بندر بن گئے۔ یہ عذاب (ان کی استعداد کو) بہت قریب تھا۔ اس لیے وہ اس عذاب میں گرفتار ہوئے۔ اور یہ عذاب اس قریہ کے آگے پیچھے والے لوگوں کے لیے عبرت کا باعث بن گیا[1]

---

[1] شاہ صاحبؒ نے اپنی دوسری تالیف تفہیمات الٰہیہ میں ان لوگوں کی صورتیں بدلنے کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی ہے۔ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ان کی قوم کے جن لوگوں نے سنیچر کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی، ان کا برا عمل ان کے صحیفوں میں ثبت تھا اور وہ اپنے ذلت کے اعمال اور برے اخلاق میں بندروں سے مشابہت رکھتے تھے۔ تو بندروں کی صورت ان کے چہروں پر آ گئی اور اس میں کوئی عجیب بات نہیں۔ کیونکہ شکل و صورت ایک عرض درجہ رکھتی ہے۔ اس لیے وہ دوسرے پر بھی پڑ سکتی ہے (دیکھئے تفہیماتِ الٰہیہ جلد ۲ ص ۱۵۲)۔

آپ کا تیسرا بڑا واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ایسا فرزند عطا کرنے کا سوال کیا۔ جو ان کے بعد ان کا جانشین ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو سلیمان علیہ السلام عطا کیا۔ جو بڑے پاک باز، دیندار، حلیم، اچھے اخلاق والے اور نیکوکار تھے۔ وہ ذرا بڑے ہو کر (مشکل معاملوں کے فیصلے کرنے میں اپنے باپ) داؤد علیہ السلام کے شریک کار ہو گئے۔ وہ خصوصی واقعات میں انسانی اور وقتی بھلائی کو جلدی معلوم کر لیتے تھے (اور اسی کے موافق فیصلے کرتے۔)

ایک مرتبہ ہوا یہ کہ ایک رات ایک قوم کی بکریاں دوسری قوم کا کھیت چر گئیں۔ وہ لوگ اپنی فریاد لے کر داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے وہی فیصلہ دیا۔ جو اتلاف کی صورت میں ان کی شریعت میں رائج تھا۔ اور اس فیصلے میں بکریوں والوں کو خصوصی نقصان پہنچتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس خاص واقعے میں خیر نسبی (اور وقتی بھلائی) سمجھا دی (جس کے موافق انہوں نے فیصلہ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اکثر فیصلے اسی طرز کے ہوتے تھے [1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ارتفاق دوم اور سوم کا علم (بھی) عطا کیا۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام نے ان کو اپنی قوم میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت سلیمانؑ ان کو پرندوں کی بولی کا فہم بھی عطا ہوا تھا۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ پرندوں اور بہائم کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو خدا کی طرف سے ان پر علوم عادیہ کا الہام ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کسی ایسی

---

[1] یہ واقعہ قرآن مجید کی سورۃ انبیاء کی آیات ،، ، اور ،، میں مذکور ہے وہاں دیکھیں ۔

چیز کا ارادہ فرماتا ہے۔ جس میں چوپایوں کے لیے بھلائی ہوتی ہے جیسے کسی تکلیف اور محنت سے چھڑانا یا کسی بھلائی اور نفع کو حاصل کرنا۔ تو اس وقت اس جانور کے دل میں کسی چیز کا علم الہام فرماتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کچھ سکھانا چاہتا ہے تو ایک پرندے کو بھیج دیتا ہے اور اس کے دل میں الہام ہوتا ہے۔ اور خدا اس بندے کو پرندے کے ذریعے تعلیم دیتا ہے۔ جیسے ہُدہُد کے قصے میں ہُوا۔

(جاننا چاہیئے کہ) پرندوں کی مختلف آوازیں ہوتی ہیں۔ جو اُن کے مختلف حالات کی نشان دہی کرتی ہیں: جیسے غضب بے قراری، گھبراہٹ، جفتی کی خواہش اور بھوک۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو ان علوم کا اکثر حصہ سکھا دیا تھا۔ اور اکثر اوقات بعض عارفوں کو بھی ایسے علوم عطا ہوتے ہیں۔ ان امور کے لیے چند جزئی اسباب ہیں جو ضبط اور انحصار میں نہیں آسکتے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا اور جنوں کو مسخر کیا تھا۔[1] اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ ہوا، آگ اور دوسری چیزوں کے بننے اور موجود ہونے میں عنصر اول پانی میں حق تعالیٰ کی قیومیت کی تاثیر سبب بنتی ہے۔ کبھی قیومیت کی تاثیر سے ایک چیز ہوا بن جاتی ہے اور دوسری قیومیت سے پانی ہو جاتی ہے۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کریں۔

کامل بندے کو کبھی بعض قیومیتوں سے مناسبت ہوتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو ہوا اور آگ کی قیومیت سے مناسبت تھی اور ان کے اندر تسخیر شے کی ہمت

---

[1] سورۂ انبیاء کی آیت ۸۱ کو دیکھیں۔

نوی تھی۔ اس مناسبت کی وجہ سے ہمت میں اور اضافہ ہوا تو انہوں نے شیاطین کو تابعدار بنا لیا۔ وہ ان کے لیے بڑے بڑے محراب اور مجسمے بناتے تھے اور دریا میں غوطے لگاتے تھے۔ اور اس کے سوا اور بہت کام کرتے تھے حضرت سلیمانؑ تخت پر بیٹھ کر ہوا کو اس تخت کے اٹھانے کا حکم کرتے تو ہوا ان کو اڑا لے جاتی، جہاں وہ چاہتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عجیب واقعات ہیں: ایک یہ کہ ایک دن ان کے سامنے گھوڑے لائے گئے اور وہ ان کی پسندیدگی میں اتنے محو ہو گئے۔ کہ ان کی عبادت کا وقت بھی ان سے فوت ہو گیا۔ اس پر آپ کو سخت غصہ آیا اور اس جوش میں گھوڑوں کو قتل یا زخمی کر دیا[1]

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ کی طرف سے لڑنے اور جہاد کرنے کے جو احکامات صادر ہوتے تھے، ان میں اپنے امیروں کی سستی اور ٹال مٹول کو دیکھ کر آپ کے دل کو تکلیف ہوئی۔ چنانچہ آپ نے یہ آرزو کی کہ اپنی بیبیوں سے صحبت کریں۔ اور ان میں ہر ایک سے ایک ایک ایسا شہسوار پیدا ہو جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ اس معاملے میں انہوں نے صرف اسباب کو دیکھا اور اس کو خدا کی طرف تفویض کرنا اور اس سے مدد مانگنا بھول گئے۔ حالانکہ عارف اسباب کی طرف دیکھنے سے پہلے اللہ سے مدد مانگتا ہے۔ اور اس میں اللہ کی تدبیر کے جاری و ساری ہونے کو دیکھ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر اس طرح تنبیہہ فرمائی کہ کسی بھی بی بی سے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا کیوں کہ ان کا نطفہ رقیق ہو گیا۔ جماع کی کثرت خواہش اس کا باعث

---

[1] یہ قصہ قرآن مقدس کی سورۂ ص آیت ۳۱-۳۳ میں وارد ہوا ہے۔

بنی۔ اس لیے اس مادے سے ایک ناقص خلقت کے سوا کوئی بھی پوری صورت نہ بن سکی۔ اور اس جسم غیر مستوی کو ان کے تخت پر ڈال دیا گیا۔ اس واقعہ سے وہ اصل حقیقت کو سمجھ گئے۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی۔ اس سے حکومت میں مدد چاہی اور یوں کہا۔ کہ یا اللہ مجھے بخش دے اور ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لیے نہ ہو۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ان کا وادی النمل پر گزر ہوا اور آپ ہوا پر سوار تھے۔ وہاں ایک چیونٹی نے اور چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔ اس چیونٹی نے اپنے علم کے موافق احتیاط سے کام لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے سن لیا۔ اور اس کی بات کو سمجھ گئے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کہ انہیں جانوروں کی بولی کی سمجھ عطا ہوتی ہے۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو ہُدہُد کو غیر حاضر پایا۔ اس پر ہُدہُد کو سخت دھمکایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک عجیب علم کی تعلیم فرمائی۔ اس میں ہُدہُد پر بھی رحمت تھی کہ وہ سزا کی دھمکی سے بچ جائے۔ اور سلیمان علیہ السلام کی بھی بھلائی تھی کہ بلقیس کی حکومت ان کے ہاتھ آ جائے۔ اور بلقیس اور اس کی قوم پر بھی احسان تھا کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اس دن حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت سلیمانؑ کو ہُدہُد کی زبانی بلقیس کی ساری حقیقت معلوم ہو جائے اور ہُدہُد نے یہ اشارہ کیا کہ بلقیس کافرہ ہے۔ اور اس کو مال اور جمال کا وافر حصہ نصیب عطا ہوا ہے۔ بہرحال

لہ سورۂ نمل آیت ۱۸-۱۹ میں یہ قصہ آیا ہے۔

اس واقعے میں جتنی بھی پوشیدہ عنائتیں تھیں۔ ان سب سے ان کو آگاہ کیا۔

پانچواں واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے تخت کو احکامِ ناسوتیہ (اس دنیا کے اثرات سے) خالی کر کے انہیں عالمِ مثال کی شئے بنا دیا۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک نیک بندے کی دعا کی برکت سے اس جگہ اسے ناسوت (اس دنیا کی چیز) لباس پہنایا۔ حضرت سلیمانؑ اس عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتے تھے۔ انہوں نے بلقیس کے عقل و جمال کو پرکھنے کے لیے ایک حیلہ سے کام لیا کہ اس کے تخت کو بدل دیا۔ بلقیس نے اسے پہچان لیا۔ حضرت سلیمانؑ نے اس کی (خوبصورت) پنڈلی کو دیکھ لیا اور آپؑ نے یہ دیکھ لیا۔ کہ وہ بڑی خوب صورت عورت ہے۔[1]

آلِ داؤدؑ میں ہمیشہ حکومت رہی۔ جب دنیا کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ان پر غلبہ حاصل کرتا تھا تو اللہ ان کے انبیاء کو فتح و نصرت کے وعدے کی وحی فرماتا اور ان کی مدد کے لئے ایک عجیب تقریب بہم کرتا۔ کبھی ان کے سامنے سخت ہوا چلتی اور ان کے تیر بنی اسرائیل کو نہ پہنچتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ جب دشمن لڑنے کو آتے تو ان پہ گرمی اور پیاس کو مسلط کیا جاتا۔ وہ ہلاک ہو جاتے اور بزدل بن جاتے۔ اور کبھی ان کے اندر باہمی دشمنی اور عداوت کی آگ کو بھڑکاتا

---

[1] مؤلف علّام نے حضرت سلیمان اور بلقیس کے قصے کو دوسرے مفسروں کے بیان کے مطابق ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کی بنیاد اکثر اسرائیلی روایتوں پر ہے۔ اگر اس کی تحقیق چاہتے ہو تو چاہیے استاذ علامہ عبید اللہ سندھیؒ کی تفسیر کی طرف رجوع کریں۔ یا ہمارے دوسرے بزرگ استاذ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے قرآنی تعلیقات کو دیکھیں۔

اور وہ آپس میں لڑ پڑتے د بنی اسرائیل بچ جاتے تھے اگئی صدیوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس کے بعد نلینوا مقام کی ایک قوم راہِ اعتدال سے ہٹ گئی اور انہوں نے بغاوت کا علم بلند کیا۔ خدا کی حکمت نے چاہا کہ اس دور کے نبی اشعیا علیہ السلام کو اس باغی قوم کے ڈرانے کے لیے حکم کرے۔ اگرچہ بر انداز اپنے پیروکاروں میں کسی ایک شخص کے ذریعے کیوں نہ ہو۔ اشعیا علیہ السلام نے اس کام کے لیے یونس علیہ السلام کو بھیجا اور ان کو منتخب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یونس علیہ السلام کا وجود اللہ تعالیٰ کی بخشش اور ان کی عنایت سے تھا۔ کیوں کہ ان کے ماں باپ کے بوڑھے ہونے کے بعد ہی بطور خلاف عادت یونس علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ پھر اس عنایتِ الٰہی نے ان کو گھیر لیا اور ان کے بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ ان کی تربیت کا اس طرح کفیل ہوا کہ چارپایوں اور وحشی جانوروں کو ان کے دودھ پلانے کا بذریعہ الہام حکم دیا۔ اور (جب وہ بڑے ہوتے تو) اُن کی شادی کا بھی اس طرح انتظام فرمایا کہ انہیں خواب میں دکھایا کہ وہ ایک دوسرے شخص کی بیٹی کو پیغام دے رہے ہیں اور اس دوسرے شخص کے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ اپنی بیٹی کو یونس علیہ السلام سے بیاہ دے (اس طرح ان کی شادی بھی ہو گئی۔)

خلاصہ یہ کہ حضرت یونس علیہ السلام کی روح میں عنایتِ الٰہی پوشیدہ تھی۔ اس لیے اشعیا علیہ السلام نے ان کو پیغام کے لیے منتخب کیا۔ حضرت یونس نے جابر لوگوں کے مقابلے سے کمزوری دکھائی۔ اور نبی کے حکم کو عقلی کراہت سے

نہیں لیکن طبعی کراہت سے ناپسندیدہ سمجھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے نفس نے ایک غلیظ رنگ (اور نامناسب کیفیت) کو حاصل کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ کیا۔ ان کی بی بی راستے میں گم ہو گئی۔ اور ان کے ایک بیٹے کو پانی کی موج بہا لے گئی اور دوسرے کو بھیڑیا کھا گیا۔ اس سے وہ غمگین ہوئے۔ اور توبہ کی اور آرام پرستی کو چھوڑ کر دعوت و تبلیغ کی تکالیف پر قائم ہو گئے۔

جب وہ اس قوم کے پاس پہنچے تو ان کو توحید کی طرف بلایا۔ انہوں نے آپؑ کو جھٹلایا۔ قید میں رکھا اور اذیتیں پہنچائیں۔ تب حضرت یونسؑ نے اپنی پوری کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ لیکن اس قوم کی ہلاکت و بربادی کا وقت ابھی نہ ہوا تھا۔ کیوں کہ اللہ کسی قوم کو ہلاک کرنے پر اس وقت راضی ہوتا ہے۔ جب وہ ہر طرح سے ملعون ہو جائے (یہ ان کے لیے ابتدائی ڈرانا تھا۔) تب آپؑ کے نفس کو ایک ایسی کیفیت۔ لاحق ہوئی، جو قتل ناحق کے مشابہ ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اس حالت میں نظر کی اور ہلاکت ملتوی ہو گئی (اس میں) آپؑ کے لیے بہت سے واقعے ہیں:

ایک واقعہ یہ ہے کہ جب، قوم یونسؑ نے عذاب کو دیکھا تو اللہ سے توبہ کی اور سب نے مل کر خدا کی بارگاہ میں عاجزی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور عذاب کو ان سے ہٹا دیا۔ اس پر شیطان نے یونس علیہ السلام کے دل میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ قوم نے ان کو جھٹلایا ہے۔ اور انہوں نے ان کے ایذا کا پختہ ارادہ کیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام، اللہ کی طرف رجوع کیے بغیر ان سے ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے (یہ آپ کے شایانِ شان نہ تھا) کیونکہ کامل

لوگوں کے لیے یہی مناسب ہوتا ہے کہ اپنے سب کام اللہ کو سونپ دیں۔ اور وہ
اس وقت اسباب کی تلاش کرتے ہیں جب تدبیر الٰہی کو ان میں کام کرتے ہوئے
دیکھتے ہیں۔ جب یونس علیہ السلام بھاگ گئے۔ تو اُن کے نفس نے ایک دوسری
ہیئت حاصل کی۔ کشتی میں سوار ہوئے تو دریا کی موجوں میں ہیجان ہوا تو قرعہ
پڑا۔ تو اُن کے نام پر نکلا۔ دریا میں گر پڑے تو مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اس پر
اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہی۔ اور گناہ سے بیزار ہوئے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اُن کی توبہ
قبول فرمائی۔ اور رحمت الٰہیہ ان پر لوٹ آئی۔ مچھلی نے آپ کو چٹیل میدان میں
ڈال دیا۔ اور یہ سقیم (اور عاجز) تھے۔ اُن پر کدو کی بیل پیدا ہوئی۔ یہ اس
لیے ہوا کہ وہ کدو کے پتوں میں رہیں اور ان کو مکھی نہ ستائے۔ اور جنگلی
جانوروں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کو دودھ پلائیں جس کی صورت
یہ تھی کہ وحشی جانوروں کے اندر یہ خیال ڈال دیا کہ یہ اُن کا بچہ ہے۔ اس
لیے ان کے سینوں میں رحم نے جوش مارا جیسے اپنے بچے پر ہوتا ہے۔
اور اسی طرح اللہ تعالےٰ اُن کے سب کاموں کا کفیل ہوا۔ یہاں تک کہ وہ قوی
اور تندرست ہو گئے۔ اس کے بعد کدو سوکھ گیا۔ اور وہ ہرنی (جو آپ کو
دودھ پلاتی تھی) وہ بھی چلی گئی۔ اِن دونوں پر اُن کو غم ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے
اُن کی طرف یہ وحی کی کہ اے یونس! کدو پر تو روتا ہے جس کو تو نے
پانی نہیں پلایا۔ اور ہرنی (کے جانے) پر بھی تو گریہ کرتا ہے جس کو تو نے کچھ نہیں
کھلایا۔ دوسری طرف ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی تباہی کا تجھے خیال نہ آیا۔
آپ کے نفس نے جن نامناسب باتوں کا ارتکاب کیا تھا اس وحی میں اُن

پر آپ کو ظاہر کیا گیا تھا۔ کیونکہ جب پاک نفس کسی نامناسب ہیئت کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس ہیئت کو سمجھ لے۔ اور یہ بھی جان لے کر یہ ہیئت اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے پھر اُسے یہ اطلاع خواب سے ہوتی ہے یا کسی خارجی واقعہ کے ذریعے سے۔ اور وہ بھی خواب کی مانند ہوتا ہے۔ یا وحی کے ذریعے سے اُن کو مطلع کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عالم برزخ میں طبیعت کے سکون کے وقت سب نفسوں کو اطلاع ہو جاتی ہے۔

پھر حضرت یونس علیہ السلام کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا۔ جو اپنے پھلوں کو چین کر زمین پر پھینک رہی تھی۔ حضرت یونس ؑ نے (یہ دیکھ کر) اُن سے کہا کہ تم لوگ اپنے پھلوں کو کیوں خراب کر رہے ہو۔ کچھ عقل سے کام لو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو وحی کی کہ اے یونس ؑ! تم کو ان کے پھلوں پر تو ترس آیا۔ اور ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں پر ترس نہ آیا۔ پھر ایک شخص نے آپؑ کی مہمانی کی۔ اور وہ کمہار تھا مٹی کے برتن بناتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس ؑ کو وحی کی کہ وہ کمہار کو اپنے برتن توڑنے کا حکم دیں۔ انہوں نے جب کمہار سے کہا۔ تو وہ (بگڑ گیا اور) اُن کو بُرا بھلا کہنے لگا اور کہا تو دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت یونس ؑ جو اپنی قوم کی ہلاکت چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں یہ مثال دی۔ پھر انہوں نے ایک شخص کی کھیتی کے لئے اللہ سے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ اور اس کی کھیتی کو خوب اُگایا اور شاداب کیا۔ لیکن اُس کے بعد اُس کو پھر برباد کیا۔ اس پر ان کو رنج ہوا۔ یہ بھی انہیں اللہ تعالیٰ نے (سمجھانے کے لئے) ایک مثال دی اس کو دیکھ کر انہوں نے اللہ کے حضور عاجزی کی۔ اور توبہ کی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ پہلے کی طرح ان کی کفالت کی۔ ان کی بیوی کو لوٹایا

اور اُن کو سو دینار عنایت کئے۔ ان کو ان کی اولاد بھی مل گئی۔ ان کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا۔ ان پر نشانیاں ظاہر کیں۔ اور ان کو اپنی قوم میں سچا بنایا۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ آئینہ کی طرح ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا کہ یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لئے محفوظ کرتا ہوں۔ اگر کسی نے نیک رنگ اختیار کیا تو اس کو اچھا بدلہ ملے گا۔ اور جو بُرے رنگ پر قائم ہوا۔ اس کو بُری سزا ملے گی۔ اور سب انسانوں کے دل رحمٰن کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ کسی بندے کو عذاب دینا چاہتا ہے تو لوگوں کے دلوں کو اس شخص کی ایذا رسانی کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور جب کسی بندے پر نعمت کرنا چاہتا ہے تو لوگوں کو اس شخص کو فائدہ پہنچانے کی طرف موڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ہمیشہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر اُن لوگوں کے حق میں جو سب کو چھوڑ کر اللہ کے لئے ہو جاتے ہیں۔ اور خدا جن کی خصوصی تربیت کا کفیل ہو جاتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی ایسے ہی (خدا پرست) لوگوں میں تھے۔

زکریا، مریم، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام

بی بی حنہ ایک بانجھ عورت تھیں۔ اور عمر رسیدہ ہوگئی تھیں۔ انہوں نے ایک کبوتری اپنے بچوں کو دانہ کھلاتے ہوئے دیکھی تو انہیں بھی بچے کا اشتیاق ہوا۔ وہ رو پڑیں۔ پھر اللہ کے حضور میں حاضری کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس مشاہدے اور ہمت میں برکت فرمائی۔ اور اُن کے بانجھ پن کو ختم کر دیا۔ اور اُن کی جوانی کو ان کی طرف لوٹا دیا۔ یہ اس طرح ہے جیسے اطبا کہا کرتے ہیں کہ حیوانات کو بحالتِ جفتی دیکھنے سے انسان کی نسلی قوتوں میں جان آجاتی ہے۔ اور اس طرح ایک نامرد بھی مرد بن جاتا ہے۔ بی بی حنہ نے بھی جب کبوتری کو اپنے بچوں کو دانہ کھلاتے ہوئے دیکھا تو اُن کو بچہ یاد آگیا۔ اور اس کی طرف اُن کو پورا میلان اور شوق پیدا ہوا۔ (اس کا یہ فائدہ ہوا کہ) اُن کی خرابی کی اصلاح ہوگئی۔

پھر ان کے دل میں لڑکے کی رغبت پیدا ہوئی۔ اور ان کی قوتِ متخیلہ، ارادے کی پختگی اور امید کی درستی نے پیٹ کے بچے (جنین) میں اثر کیا۔ تو وہ برکت والی بی بی مریم ہوگئیں جو مرد کا مزاج رکھتی تھیں۔ وہ بڑے لوگوں کی طرح طاقتور، کامل مزاج اور صحیح فطرت اور نظافت کی مالک تھیں۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مردوں میں بہت سے لوگ کامل گزرے ہیں۔ حدیث کے آخر تک۔[1] وہ مرد عورت

[1] اگلے صفحہ کے حاشیہ پر

تھیں یعنی بظاہر وہ عورت تھیں لیکن ان میں مردوں جیسی صفات موجود تھیں۔ یہ اس لئے تھا کہ ان کی ذات میں اللہ کی طرف توجہ اور اس سے امید باندھنے کی صفت پوشیدہ تھی۔ اور اس پر اُن کی ہمت مجتمع تھی۔ یہاں تک کہ یہ ہمت اُن کی قوتِ مصورہ میں نفوذ کر گئی تھی۔

جب حنہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اللہ کے حضور میں اُنھوں نے اپنے شدید غم کا اظہار کیا۔ کیونکہ (بیت المقدس میں) اللہ کی عبادت کے لئے صرف لڑکوں کو ہی رکھا جاتا تھا۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے اس کے لئے حضرت مریم کو قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ برکت والی اور مردانہ وار عورت تھیں۔ خدا نے زکریا علیہ السلام اور (بیت المقدس کے) دوسرے مجاوروں کے دل میں بی بی مریم کو قبول کرنے کی بات الہام فرمائی۔ اگرچہ یہ بات اُن کے دستور کے خلاف تھی۔

بی بی مریم پر اللہ تعالیٰ کی عنایتوں میں سے ایک عنایت یہ تھی کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو ہی اُن کا کفیل بنا دیا۔ کیونکہ وہ نبی، عالم اور بی بی مریم پر شفیق تھے۔ اور ان کی بیوی حضرت مریم کی خالہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے (بیت المقدس کے) خادموں اور عالموں کے دل میں یہ ڈال دیا کہ حضرت مریم کو اپنے پاس رکھنے کے سلسلہ میں نہر میں قرعہ ڈال کر فیصلہ کریں۔ اور ہر ایک یہ خیال کرتا تھا کہ ان کے نام پر قرعہ نکلے گا۔ اور اس میں حضرت زکریا علیہ السلام

حاشیہ ص گزشتہ حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ عورتوں میں سوائے فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم کے کوئی کامل نہیں ہوئی۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے جیسی ثرید کی فضیلت دوسرے طعام پر۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے۔

۔ یہ قصہ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران ۳۷ ۔ ۴۱ آیات میں آیا ہے۔

کے لئے حق کے ظہور کی ایک تقریب تھی۔

حضرت مریم پر اللہ کی دوسری عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی نشانیوں کو ظاہر فرمایا۔ اور کسی عنصری سبب کے بغیر کلمہ "کن" کہنے سے اُن کے لئے میوے پیدا کیے جس طرح جنت میں جنتیوں کے لئے پیدا کرے گا۔ زکریا علیہ السلام اللہ کے عارف اور مخلوق میں اس کی سنت کو جاننے والے تھے۔ انہوں نے ان دنوں میں روحانی قوتوں کے عجیب ظہور کو معلوم کیا تھا۔ اور اس کو بھی جان گئے تھے کہ آج تکوین کسی عنصری سبب پر موقوف نہیں ہے۔ جس طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش کے دنوں میں تھا۔ تب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لئے دعا کی کہ وہ اُن کے بعد اُن کا جانشین ہو۔ اُن کے علم کو قائم رکھے لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف بلائے کیونکہ اُن کو اپنے چچازاد بھائیوں سے یہ ڈر تھا کہ وہ اس دنیا کی عزت اور آبرو کو اختیار کریں گے۔ تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ تب حضرت زکریا علیہ السلام نے کمال رغبت سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا کو قبول فرمایا۔ اُن کو جوان کر دیا۔ اور اُن کی بیوی کے بانجھ پن کو دور کیا۔ تو حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جو حکیم اور اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ اور عورتوں سے دور رہتے تھے اس کی یہ وجہ ہے کہ ہر وہ فرد جس کے موجود ہونے میں ارضی اسباب کو کم دخل ہوتا ہے۔ اس میں حیوانی اخلاق کے لحاظ سے ضعف پایا جاتا ہے۔ اور وہ دنیا کے منافع سے محروم ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ الٰہی عبادات کے لحاظ سے کتنا ہی برکت والا کیوں نہ ہو۔ حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا زہد اور گمنامی کو دوست رکھنا۔ اور دنیوی ریاستوں سے منہ پھیرنا اور پناہ مانگنا بھی اسی قسم سے ہے۔ کیونکہ انسانی کمالات نفس میں اس قدر ظاہر ہوتے ہیں جس قدر روح اپنی جبلت کے لحاظ سے اُن کے لئے آمادہ ہو۔ کوئی انسان ذکی ہوتا ہے

تو اس کا کمال حکمت اور علم کی پختگی ہے۔ اور کچھ انسانوں میں عدالت اور سیاست دانی کی استعداد ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو اللہ ان کو حکومت عطا کرتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے منتظر بیٹے کے ساتھ بیوی کے حاملہ ہونے کی نشانی طلب کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر یہ وحی کی کہ تین دن تک کسی سے کوئی بات نہ کریں[1]
یہ اس لئے ہوا کہ جب حق کی عنایت اور ملاء اعلیٰ کی ہمتیں عالم ناسوت میں آئیں۔ اور اُس کی طرف متوجہ ہوئیں تو اُس وقت ایک ملکی ہیئت نے اُن کے نفس کو گھیر لیا۔ اور وہ کسی مخفی اشارے کے سوا کسی سے بات نہ کر سکے۔

پھر حضرت مریم کو اس جگہ روحانی قوتوں کے ساری و جاری ہونے کے زمانے میں ماہواری کے دن آئے۔ جب اُن سے پاک ہوئیں۔ تو لوگوں سے دور ایک الگ مکان میں غسل کرنے کے لئے گئیں۔ اور پردہ ڈال کر کپڑے اتارے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف ایک کامل خلقت جوان کی صورت میں جبرئیل کو بھیجا جو جوانی اور خوبصورتی سے بھرا ہوا تھا حضرت مریم نے اُن کو دیکھا۔ اور خود بھی جوان اور قوی مزاج والی تھیں[2]۔ اُن کو اپنے نفس پر فساد کا ڈر لاحق ہوا۔ اور دل سے اللہ کے حضور میں دعا کی کہ اُن کی عصمت پر کوئی حرف نہ آئے۔ پھر اُن کو ایک عجیب حالت پیش آئی۔ طبیعت میں قوائے نسلیہ کا ہیجان ہوا۔ اور اس سے وہ (لذّت کی) کیفیت پیدا ہوئی جو جماع کے وقت ہوتی ہے۔ جیسے کبھی کسی کو دیکھنے سے انزال ہو جاتا ہے۔ نفس کو اللہ تعالےٰ

---

[1] یہ قصہ سورہ آل عمران کی آیت ۴۱ میں ہے۔

[2] یہ قصہ قرآن مجید کی سورہ مریم کی آیت ۱۶ سے ۲۳ تک آیا ہے۔

سے التجا تھی۔ اور اسی کے ساتھ تمسک تھا۔ یہاں تک کہ وہ غیب سے فائض ہونے والی پاک دامنی کی حالت سے مالامال ہو گئیں۔ صورتِ انسانیہ کی یہ حالت تھی کہ وہ الروح الامین کے اختلاط سے عنقریب ظاہر ہونے والی تھی۔

جب حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے اُن سے کہا کہ میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ تمہیں دوں ایک ستھرا لڑکا۔[1] تو حضرت مریم خوش اور مانوس ہو گئیں۔ حضرت جبرئیل نے جب اُن کو اس حال میں دیکھا۔ تو اُن کے منہ میں پھونک ماری۔ اس پھونک سے اُن میں تاثر ہوا اور اُن کو انزال ہو گیا۔ حضرت مریم کے نطفے میں مرد کے نطفے جیسی قوت تھی۔ اس لئے وہ حاملہ ہو گئیں۔ اور جو بات سیدہ مریم میں تھی وہ سب اِس بچے میں آ گئی جیسے اللہ سے تمسک کرنا۔ اسی کی طرف التجا کرنا۔ اور ملکی ہیئت سے خوش ہونا۔ کیونکہ حضرت مریم کی حالت اُن کے نفس کی ہر قوتِ مصورہ اور مولدۃ تک میں سرایت کر گئی تھی۔ اور یہ بات یہ ہے، جو اطباء کہتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو جماع کے وقت لڑکے کا تصوّر کرے۔ حضرت جبرئیل کی پھونک سے اس لڑکے میں عالمِ مثال کا حکم اور روح کے خواص آ گئے تھے۔ کیونکہ صورت بننے کا سبب وہی تھا۔ اِس سے حضرت مسیح کی جبلت میں جبرئیل کے مشابہ ایک راسخ ملکہ پیدا ہوا۔ اور حضرت مسیح کی روح القدس کے ساتھ تائید کا یہی مقصد ہے۔

جب حضرت مریم کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنی نشانیاں ظاہر کیں ان میں سے ایک نشانی یہ تھی کہ ملائکہ نے انہیں آواز دی کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم کے لڑکے کو کمالات عطا کرے گا۔ اور سیدہ مریم نے اپنے بیٹے کے حالات اور سب کمالات اجمالی طور پر جان لئے، رہ گئیں۔ جوانی اور پیری کے

---

[1] سورہ مریم، آیت ۱۹

دوسری نشانی یہ تھی کہ حضرت مریم نے ایک سوکھی ہوئی کھجور کی پناہ لی چنانچہ اُس میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ سرسبز ہوگئی۔ اور چند ساعتوں کے اندر وہ پھل لے آئی۔ اور خدا نے وہاں پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔

تیسری نشانی یہ تھی کہ جب سیدہ مریم پر زنا کی تہمت لگی تو خدا نے اُن کے بچے کو ایسے وقت میں بولنے کی توفیق دی جس میں بچے نہیں بولتے اور اس طرح اُن کے اس الزام کی مدافعت کی۔

کیونکہ اس بچے میں قوتِ روحیہ تھی اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو خدا کی طرف سے اُن کو علم کتاب اور حکمت عطا ہوئی۔ اس میں کسی تعلیم کو دخل نہ تھا۔ اُن پر نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ لوگ جو کچھ کھاتے اور گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے وہ سب اُن کو بتاتے تھے۔ وہ مٹی سے پرندے کی شکل کا پرندہ بناتے۔ پھر اُس میں پھونکتے تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا حضرت مسیحؑ کے مٹی میں پھونکنے کے ساتھ اس میں زندگی آجاتی تھی پس یہ معاملہ دو باتوں پر منحصر تھا حضرت مسیح کا زور سے پھونک مارنا۔ اور اس کا زندہ ہونا۔ اس کے بعد وہ جانور گر کر مردہ ہو جاتا۔

حضرت مسیحؑ اللہ کے اذن سے مُردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یہ نفس بدن سے وہمی تعلق رکھتا تھا۔ اور یہ حقیقی زندگی کا تعلق نہ تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اُس وہمی تعلق میں اللہ کی طرف سے برکت ہوتی۔ اور اس سے اُس پر زندگی کا عکس پڑتا۔ تو مردہ زندہ ہو جاتا پھر جب عیسیٰ علیہ السلام جدا ہوتے تو وہ اسی وقت مرجاتا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں بڑی گنجائش اور آسانی تھی۔ کچھ ایسی چیزیں جو اُن کے لئے حرام تھیں، وہ اُن کے لئے حلال کردی گئی تھیں۔ اس لئے کہ تکلیف وہ احکام اس

وقت اُترتے ہیں، جب ملکیت کا بہیمیت سے تصادم ہوتا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام تو گویا زمین پر چلنے والے فرشتے تھے۔ اِس لئے یہود نے ان پر زندیق ہونے کی تہمت باندھی اور اُن کے قتل پر جمع ہو گئے۔ انہوں نے ایک تدبیر کی۔ اور اللہ نے بھی ایک تدبیر کی اور اللہ سب سے اچھا تدبیر کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک مثالی صورت بنائی۔ اور اس کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ اور اُن کے پیروؤں یا دشمن کے کسی شخص کو اُن جیسا بنا دیا۔ تو وہ عیسٰی علیہ السلام کے شبہ میں قتل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے پیروؤں کو دشمن پر مدد دی۔ اور وہ دشمن پر غالب آ گئے۔

———:———

نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے وہ اصول جو اُن علوم کی تاویل اور تعبیر کے مرجع ہوتے ہیں۔ بہت سے امور ہیں!

ایک یہ کہ ملأ اعلیٰ (مقدس ملائکہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک فطری مناسبت تھی۔ بسبب اس کے کہ آپ کا نفسِ ناطقہ بلند تھا۔ اور آپ کا وہ مزاج جس کا تعلق نسمہ یا روح طبی سے ہوتا ہے، کامل و معتدل تھا۔ اور اچھے اخلاق کا مستوجب تھا۔ اور اُن کا اجتماع اتفاق اور یک جہتی پر تھا[1]۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ملأ اعلیٰ کی طرف سے آپ کے قلب مبارک میں دوامی تائید ہوتی رہے۔ اور یہ تائید کبھی اس طرح ظاہر ہوتی تھی کہ ملأ اعلیٰ آپؐ کو دکھائی دیتے تھے۔ کبھی آپؐ سے باتیں کرتے تھے۔ اور آپؐ کے دل میں الہام کرتے تھے۔ اور کبھی آپؐ اُن کو خواب میں دیکھتے تھے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک بہادر انسان ہے، جو اپنی شجاعت میں کامل ہے۔ اس کی یہ شجاعت اسے تھوڑی سی بات پر دشمن سے مقابلہ کرنے، جنگ میں کود پڑنے اور

---

[1] مطلب یہ ہے کہ آپ کا نسمی مزاج نفس ناطقہ کے مقتضٰی کے متصادم نہ تھا۔ ان دونوں کے تقاضا میں اتفاق تھا۔

مار دھاڑ کرنے پر دم بدم اُجاگر رہتی ہے۔ ہر خُلق اپنے آثار سے بھی نسبت رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب آپؐ اپنی بیداری اور نیند میں ملأ اعلیٰ کی تائید کے لئے فارغ ہوتے اور منتظر رہتے تھے۔ تو ملأ اعلیٰ کی طرف سے ان اسباب کے موافق جنہوں نے آپؐ کو گھیر رکھا تھا، اللہ کی مشیّت کے مطابق تائید کا فیضان ہوتا رہتا۔

(آپؐ کے اور ملأ اعلیٰ کے درمیان) اِس تعلق اور ربط کی بنا پر آنحضرت کی ہمّت ملأ اعلیٰ کی طرف متوجہ تھی۔ اور ہر وقت ان کی برکتوں نے آپ کو احاطہ کر رکھا تھا۔ یہ اوقات آپؐ کے جہاد وغیرہ میں مشغول ہونے کے ہوں۔ یا مسجد میں اعتکاف کے۔ اس تعلق کی بنا پر آپؐ کے اکثر معجزے برکت کے تھے۔ کھانے پینے وغیرہ سب میں برکت ہوتی تھی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نفس جو ملأ اعلیٰ کی تائید کے لئے تمثال یا تصویر کی حیثیت رکھتا ہے، جب اپنی پوری ہمّت سے کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو ملأ اعلیٰ کی ہمتوں کی طرف سے فراخ راہ کھُل جاتی ہے۔ اور ملأ اعلیٰ کی ہمتیں عالم موالید (حیوانات، نباتات اور جمادات) کو الہام، احالہ اور تقریب کے ساتھ مسخر کرتی رہتی ہیں۔ پس اگر وہ (ملأ اعلیٰ کے ملائکہ) آگ کے ظہور کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور موالید میں اس کے لئے کوئی سبب نہیں ہوتا۔ یا کوئی ایسا کمزور سبب ہوتا ہے جو آگ کے پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ تو ملأ اعلیٰ کی ہمتیں آگ کے پیدا ہونے کو واجب کر دیتی ہیں۔ اسی پر الہامات کو قیاس کریں۔

اسی خصلت کے باعث آپؐ کا سینہ شق ہوا۔ اور اس میں حکمت اور ایمان بھرا گیا۔ آپؐ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی۔ پھر آسمانوں تک اور اس کے بعد جہاں اللہ نے چاہا آپؐ کو سیر کرائی گئی۔ آپؐ نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح دیکھیں۔ اور ملائکہ کو ان کی

اپنی صورتوں اور اشکال میں دیکھا۔ اور انسانِ اعظم[1] کے دل پر جو حق کی تجلی پڑتی ہے، آپ وہاں تک پہنچے۔ اور وہاں سب سے اچھی صورت میں ظہور فرمایا۔

دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس استعداد سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی، ملاً اعلیٰ سے تہذیب نفس کے علم کو حاصل کرنے کے مستحق تھے۔ اور یہ اس لیے کہ آپ نفسِ عالیہ، روح کامل اور مزاجِ متوازن کے حامل تھے۔ ہوا یہ کہ آپ نے چار اخلاق کو جن پر نیکی کی تمام قسموں کا دارو مدار ہے۔ اور اُن کی اضداد تمام برائیاں ہیں، اپنے نفس میں پایا۔ اور اُن کی اضداد سے آپ کو اذیت محسوس ہوئی جس طرح کوئی انسان بھوک اور پیاس کو محسوس کرتا ہے تو وہ کھانے اور پینے کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اور اُن کے نہ ملنے سے اُسے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ پھر آپ سے خود بخود ان اخلاق کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ جیسے مردِ شجاع سے بہادری کے آثار خود بخود نمایاں ہوتے ہیں لوجس کی فطرت میں عدالت ہو، اُس سے سیاستِ مُدن اور تدبیر منزل جیسے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مقصد ہے جو اُس نے فرمایا۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ

ترجمہ:۔ اور ہم نے اُن کی طرف اچھے کام کرنے کی وحی کی۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور میں تامّل کیا جو اُس زمانے میں نیکی اور گناہ کے کام تھے۔ اور آپ نے جان لیا کہ دونوں اقسام کا مصدر ہیئات نفسانیہ ہیں۔ اور نفس کے تزکیہ اور آلودگی میں دونوں مؤثر ہیں۔ آپ نے یہ بھی معلوم کیا کہ حالتِ مطلوبہ میں نیک کام کیوں کر زیادہ ہوتے ہیں۔ اور اس کی ضد میں گناہ کے کام کس طرح بڑھتے ہیں۔ آپ نے ہر عمل کے موقع اور برتے

---

[1] انسانِ اعظم سے مراد نوعِ انسان کا امام ہے۔ اسی طرح عالمِ بالا میں ہر نوع مخلوق کا ایک امام ہوتا ہے۔ جسے فلسفہ یونان میں رب النوع کہا جاتا ہے۔ وہ امام اپنے نوع کے افراد کی ایک مثالی شکل ہوتا ہے

کا وزن معلوم کیا۔ پھر یہ بھی معلوم کیا کہ اِس دنیا کے اعمال موت کے بعد کیسے خیر اور شر کے متقاضی ہوتے ہیں۔ پھر یہ معلوم کیا کہ اچھے اعمال کو کیسے کیا جاتا ہے۔ اور بُرے کاموں سے کس طرح اجتناب کیا جاتا ہے۔ اور اس کو معلوم کیا کہ اعمال کے آداب اور ان کے تکملات اور دواعی کیا ہیں۔ یہ سب علوم نفس کے آئینے میں تامل کرنے سے بطور وجدان اور قیاس کے ظاہر ہوئے۔

ایک اُن میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایسی سمجھ عطا فرمائی تھی جس سے آپ ارتفاقات (باہمی معیشت کے اصول) کو جانتے تھے۔ جیسے آدابِ معیشت، تدبیر منزل، باہمی معاملات، سیاستِ تمدن اور امت و قوم کی سیاست آپؐ نے وہ مصلحتیں جان لیں جن کا قوم خیال رکھتی ہے، نیز صحیح اور سقیم کو معلوم کیا۔ اور اس کو بھی جان لیا جو ان آرا کلیہ کے لائق ہے، جو حق تعالےٰ کی طرف اترتی ہیں۔ اور آرا جزئیہ کو بھی معلوم کیا جو کہ نفوس کے خطرات، سرداروں اور بادشاہ کے ظلم وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اِس کی مثال ایک فقیہ کی ہے، جو اپنے مشائخ کے مسائل میں تامل کرتا ہے۔ پھر ہر ایک شئے کی وجہ معلوم کر لیتا ہے۔ اور جن امور کلیہ (قواعد) کو انھوں نے تلاش کیا تھا، اُن کو بھی جانتا ہے۔ اور صحیح کو فاسد سے تمیز کرتا ہے۔ یا جیسے عادل حکیم بادشاہ ہو، جو گزشتہ بادشاہوں کے رسوم اور عادات کو جانتا ہے۔ ان مصلحتوں کا بھی اُسے علم ہے جن کی پچھلے بادشاہوں نے تلاش کی تھی۔ اور ذرائع اور دواعی کو بھی جانتا ہے۔ پھر ایک شئے کو اس کے وسائل کے روکنے سے روک دیتا ہے۔ اگر تم بادشاہوں کی تاریخ میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایک بادشاہ نے بھاؤ سستا

کرنے کا ارادہ کیا تو اُس کو پہلے یہ غور کرنا ہوگا کہ گرانی کا سبب زراعت کی کمی ہے یا تاجروں کی قلت۔ اس کے بعد اُس نے گرانی کے سبب دور کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کو مطلوب حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ یا کسی حاکم نے ارادہ کیا کہ کسی قوم کے شر سے وہ امن میں رہے تو اُن کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں۔ اور ہتھیار نہ باندھیں۔ یا اس خیال سے کہ اس کے اعوان و مددگار اس کے سر نہ ہوں، اس نے حکم دیا کہ وہ آپس میں یا باشاہ کی بدگوئی نہ کریں۔ اور بادشاہ کی اجازت کے بغیر آپس میں ملاقات نہ کریں۔ اس کے مانند اور بھی بے شمار باتیں ہیں اسی طرح سیاست کی مصلحتوں کا اخذ کرنا اور سمجھنا ہوتا ہے۔

اور اُن میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر لطف کرنے کا ارادہ کیا کہ اپنی رحمت کا ایسا چشمہ جاری کرے جس پر عرب و عجم کے سب لوگ وارد ہوں۔ اور وہاں مہلک پیاس سے نجات پاکر سیراب ہوں۔ یہ اس لئے کہ عرب و عجم ان فاسد رسومات کے پابند تھے جو اچھے ارتفاقات کی منافی تھیں۔ دین کی باتوں سے بیٹھے بچھڑے ہوئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے اُن باتوں میں زیادہ جاہل تھے۔ جن سے اُن کو تہذیبِ نفس حاصل ہوتی۔ یہ لوگ آخرت کی یاد سے بڑے بے خبر رہتے تھے۔ اللہ کے جلال اور اس کی توحید سے غافل تھے۔ بتوں اور شیطانوں کے پجاری تھے۔ کمزوروں پر بڑا ظلم کرتے تھے۔ قطع رحمی اُن میں زیادہ تھی۔ اس حالت میں خدا کا اُن پر یہ لطف تھا کہ انہیں اُن کی بُری باتوں پر تنبیہ کی جائے۔ اور انہیں حق کا راستہ دکھایا جائے۔ اور اُن کو سیدھے راستے پر چلایا جائے۔ چاہے وہ مانیں یا انکار کریں۔ یہ لطف اُس کی تدبیر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اور تدبیر صفتِ خلق کی نقابا اور اُس کے بعد کی چیز ہے۔ اور خلق ابداع کے نقابا سے ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کلیہ کو پیدا کیا تو اس کو بہت سے احوال کے لیے سواری بنایا۔ اس لیے کبھی وہ انسان ہوتا ہے کبھی گھوڑا کبھی بیل وغیرہ ان امور میں نفس کلیہ کا قوت سے فعل کی طرف نکالنا نظمِ طبیعی پر ہے۔ اور یہ تیسرے عبارت ہے جو نفس کلیہ کے ابداع کے بقایا (اور لوازمات میں) سے ہے جس جود نے نفسِ کلیہ کے ابداع اور پیدائش کی خواہش کی تھی، یہ اس کا مقتضیٰ ہے۔ پھر جب عالم اپنی تفصیل سے وجود میں آگیا اور مخلوق کی ہر نوع اور شخص کو ایسی صورت عطا ہوئی جو اس کے مخصوص آثار کی مقتضی تھی۔ اس کو اس کے آثار سے روکنا خیر نہ تھا۔ اور نہ ان حوادث کا ظاہر ہونا خیر تھا جو اچھے نظام کے منافی تھے۔ تو ضروری ہوا کہ ارضی اسباب میں ہیجان ہو اور ایسی تحویلات (و تغیرات) وجود میں آجائیں، جو اشیاء کو اچھے نظام کے قریب لے آئیں۔ اور اس طرح خلق و پیدائش کی تکمیل و تتمیم ہوتی ہے۔ ان تینوں میں جود ذاتی کی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی سیلاب زمین پر آجائے۔ جب کوئی سد اور پشتہ اس کی مزاحمت کرے تو پانی اس کے سوراخوں میں گھس جائے۔ اور پھر کسی سوراخ سے مثلث شکل کی صورت میں نکلتا ہے کسی سے مربع اور کسی سے گول دائرہ کی شکل میں۔ پھر اس پانی کو ایک دوسری دیوار روک دے جو پہلی سے زیادہ مضبوط اور محکم ہو۔ تو اس وقت نمی اور رطوبت زمین اور ہوا کے مسامات میں نفوذ کرے گی۔ تو اس طرح پانی کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ واللہ اعلم

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ کا مذکور ارادہ ملا اعلیٰ میں متمثل ہوا۔ اور اس نے ایک مثالی شخص کی صورت اختیار کی جس کو ہم نبی الانبیاء کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور یہ شعائر الٰہیہ کی اصل اور بنیاد ہے۔ وہاں سے زمین پر اللہ کی رحمت کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اور ہر دور اور ہر زمانے میں مواہب کے مسامات سے لطف و عنایت کے چشمے پھوٹ نکلے اور یہ سلسلہ

ان زمانوں اور ان دوروں میں جو مخصوص واقعہ ہوتا تھا اُن کے موافق تھا بعض زمانے میں اُس کا ترشح اور ٹپکنا بنی آدم کے قلوب پر تھا۔ اور ایسے انسانوں کو رسل اور انبیا ء کہا جاتا ہے۔ پھر یہ اہتمام نہ ہوتا تھا جب تک نظام زمین میں ایسا مادہ پایا جائے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ صورت اس میں منطبع ہو سکے۔ جیسے آئینہ میں انسان کی صورت منطبع ہوتی ہے۔ تو جس آدمی کی صورت یہاں منطبع ہے۔ وہ ارادہ ہے جو ملأ اعلیٰ میں متمثل ہے۔ اور آئینہ انسانوں میں سے ایک شخص ہے جو حق کے لئے جھگڑتا ہے۔ لڑائی کرتا ہے۔ مال خرچ کرتا ہے۔ اور لوگوں کی تالیف قلوب کرتا ہے۔ جیسے لوگوں کے بادشاہ کیا کرتے ہیں۔ انطباع کے معنی یہ ہیں۔ اس (کامل انسان) کے افعال میں روح قدسی پھونکی گئی ہو۔ ارادہ متمثل بھی اسی کا نام ہے۔

اس آخری دورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات (صورت منطبعہ کے لئے) مادہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہاں سے احکام الٰہیہ کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ اور اس کے پھوٹنے کے بعد مبہم احکام منضبط ہوئے۔ اور مقادیر کی تعیین بھی ہوئی۔ اس لئے کہ لوگوں کو ایک ایسے مضبوط امر کا مکلف بنایا جائے جس کو تحریف لاحق نہ ہو سکے۔ اور اس میں تسلسل خلل انداز نہ ہو۔ اور وہ امر محسوس کی طرح ہو جس کو قوم ہاتھوں ہاتھ لے لے۔ اور تقرب و ولی اللہ میں اسی سے تمسک کرے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن عظیم کو نازل فرمایا۔ اور ان کے لئے خانہ قدیم (بیت اللہ) کا طواف مشروع فرمایا۔ اور ان کو احکام الٰہی کا امر کیا۔ قرآن عظیم عربی زبان میں متعین ہوا۔ اور بیت اللہ بھی وہی مقرر ہوا جس کا کئی صدیوں سے طواف کرتے آرہے تھے۔ اور شرائع بھی وہ جاری کیں جو اسماعیلیہ اور اسحاقیہ امتوں میں رائج تھیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ

مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ[1]) اور اس نے دین کے احکام میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم رہو۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے ساتھیوں اور صحابہ کی جماعت کے اصل اور اساس میں اللہ تعالیٰ نے امانت کو اتارا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے سینوں میں رحق کی حمایت کے لئے) جہاد کا جذبہ اس طرح پھیل گیا۔ جیسے مشک میں پھونکنے سے ہوا پھیل جاتی ہے۔ پھر وہ ایک امت ہو گئی جس کو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کیا گیا[2]۔ اور اللہ کی رحمت نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم غالب ہوگیا۔ اور اسلام صحرائی اور شہری سب کے گھر میں پہنچ گیا۔

پانچویں اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسِ قدسیہ میں یہ صلاحیت تھی کہ اس پر گذرے ہوئے یا آنے والے زمانے کے واقعات منکشف ہوں۔ اور یہ اس لئے تھا کہ بڑے کلیہ واقعات اپنی مثالی صورت سے ملاء اعلیٰ میں صورت پذیر ہوتے ہیں جزئی واقعات جو کہ معمولی اسباب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان سے ملاء اعلیٰ میں رضا یا ناراضگی کا (پہلے) کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا۔ ملاء اعلیٰ میں صرف اس وقت صورت پذیر ہوتے ہیں جب ان کے موجود ہونے کا زمانہ قریب آتا ہے۔ باقی آنے والے واقعات کے لئے تو اسباب ہوتے ہیں۔ جو ان کو ضروری بنا دیتے ہیں۔ اور ان کے اسباب کے لئے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلا جاتا ہے پھر جب یہ نظام جملہ اسباب تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جود اور رحمت ضروری قرار دیتی ہے کہ جس واقعہ کے اسباب وجود میں آ

---

[1] سورۃ الحج ۷۸۔ [2] اس میں قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی آیت ۱۱۰ کی طرف اشارہ ہے وہ آیت اس طرح ہے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

گئے ہیں اس کی صورت ملأ اعلیٰ کی قوتوں میں صورت پذیر ہو۔ اور جس قدر اسباب بڑھتے جائیں گے۔ اور وقت قریب ہوتا جائیگا تو وہ صورت قوی ہوتی جاتی ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ نظام طبیعی جو نفسِ کلیہ کی صورت جزئیہ کا دوسرا نام ہے، اس نظام کی معرفت کو علمِ اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ پھر انسانوں میں جو سب سے پاک طینت کا انسان ہوتا ہے، اس کے پاس واقعہ اپنے اول ظہور میں ہی مثالی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس سے کم درجے کا ہوتا ہے اس کے لئے حادثہ کا صورت پذیر ہونا بعد میں ہوتا ہے۔ اسی طرح قیاس کرتے چلے جاؤ!

گزرتے ہوئے واقعات کی معرفت اس طرح ہوتی ہے کہ ہم نے کشف سے یہ معلوم کیا ہے کہ حظیرۃ القدس کی فضا میں بندوں کی صورتیں معلق رہتی ہیں۔ جب کوئی بندہ نیک عمل کرتا ہے۔ تو اس سے اس کا نفس کامل ہوتا ہے۔ ملاء اعلیٰ کے ملائکہ اس سے راضی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے۔ اس کی مثالی صورت میں نور اور روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہاں سفید نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی بندہ بُرا کام کرتا ہے تو اُس سے اس کا نفس خراب ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ملأ اعلیٰ میں ناراضگی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس پر لعنت کرتا ہے۔ اس کی صورت میں تاریکی اور سیاہی آجاتی ہے۔ اور وہاں سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ صورت حظیرۃ القدس میں اس وقت تک رہتی ہے جب تک اس دورے کے ختم ہونے کا وقت آجائے۔ جب یہ دورہ ختم ہوگا۔ تو صورت بھی ختم ہو جائے گی۔ جب کوئی عارف ملأ اعلیٰ کے ساتھ مل جاتا ہے تو اللہ کی مشیت سے ان صورتوں کے دیکھنے سے ان کے سب حالات اس پر کھل جاتے ہیں۔ کسی کو کم علم ہوتا ہے تو کسی کو زیادہ اور اس کا مدار اُن کے اللہ کے ہاں درجات پر ہے۔ ہم نے انبیاء اور اولیاء کے متعلق جو کچھ کہا ہے، اس کو بھی اس

تحقیق کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔

کبھی کسی بڑے واقعے کے لئے (جو کسی عظیم انعام یا عام ہلاکت کے لئے ہوتا ہے) ملأ اعلیٰ کے مدارک میں ایک مثالی صورت ہوتی ہے۔ کامل انسان کو اس کی معرفت ہوتی ہے۔ اور اسی سے (واقعے کو) معلوم کر لیتا ہے۔ کبھی عارف کے کان میں ایسی کوئی بات پڑ جاتی ہے جو لوگ آپس میں کر رہے ہوتے ہیں۔ اور ان کو خبر نہیں ہوتی۔ اور وہ اس سے غافل ہوتے ہیں۔ تو ان واقعات کی تاویل سے عارف کو یہ سمجھ آجاتی ہے کہ وہ صحیح کی موضوع سے تمیز کر سکے پھر وہ واقع کے مطابق حق کی طرف ہدایت پاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایسا شخص کم ملے گا جو ملأ اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہو۔ اور اس کے نفس میں اس کے پیدائشی اصل مزاج کے موافق ان بڑے واقعات کا عکس نہ پڑے۔

جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس قدسی تمام عالم کی سیاست اور ملّت کی امامت پر حاوی تھا۔ اور وہ عظیم تدبیروں میں ملأ اعلیٰ کے ساتھ قوی مشارکت رکھتا تھا تو ضروری ہوا کہ آپ کے نفس مبارک میں پچھلے لوگوں کے قصوں اور مجموعی واقعات کا عکس پڑے جن کا ملت کے قیام یا اسے ختم کرنے سے کوئی مناسبت ہو۔ یا وہ انسان میں اس کے نظم طبعی کا مقتضی ہو۔ یا بڑے اسباب کا مقتضی ہو۔ قیامت کے واقعات بھی اسی طرح ہیں۔ عیسٰی دجال کا ظاہر ہونا۔ مہدی کا وجود۔ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول۔ دابۃ الارض کا آنا، یاجوج ماجوج کا نکلنا۔ یہ سب تشبہ اور صورت پذیر ہونے کے لحاظ سے بڑے واقعات ہیں۔ کیونکہ ان کا مبدا نظم طبیعی ہے

ان کی تفصیل یہ ہے۔ ظہور قیامت کا آغاز اور اس کی شرائط تین چیزیں ہیں:-

(۱) عام حوادث۔ جن سے انسان، حیوان اور دوسری بہت سی چیزوں

نباتات اور معدنیات کی بربادی ہوگی۔ جیسے زمین میں دھنس جانا، عام موت، زلزلے مہیب آوازیں اور باہمی لڑائیاں۔ ان کے لیے سماوی اور ارضی اسباب مہیا ہوں گے جن سے اِن واقعات کا ہونا ضروری ہو جائے گا۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ زمین سے خراب صورتیں اوپر جاتی ہیں۔ جن میں سے کچھ تو لوگوں کے ارادی اعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور کچھ ایسی ہوتی ہیں، جن پر اُن کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ پھر فضا میں یہ خراب رنگ صورت پذیر ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا جُود اُن ہی فاسد رنگوں سے ملوث ہو کر نازل ہوگا۔ پھر دنیا ان نفوس کے پیدا ہونے کے لیے تیار ہو جائے گی جو اللہ کی طرف سے نوع انسانی کے لیے بنائی ہوئی حد سے باہر نکل جائیں گے۔ اور افراط یا تفریط کو اختیار کریں گے۔ بعض تجرد اور انسلاخ (رہبانیت) کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور بہیمیت کو اختیار کرتے ہیں۔ اِس سے نوع انسانی میں بیماری پیدا ہوگی۔ پھر دوسری ہیئتیں اوپر جائیں گی۔ اور پہلی ہیئتوں سے نہایت قبیح اور بدبودار ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا جُود بھی اِن ہیئتوں سے ملوث ہو کر نازل ہوتا ہے۔ پھر آگے چل کر دنیا ایسے نفوس کے پیدا ہونے کے لیے تیار ہوگی۔ جو پہلی حالت سے زیادہ اعتدال سے خارج ہوں گے۔ اور اسی طرح ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ قیاسات خلل پذیر ہوں گے۔ اور کوئی نجومی اپنے علمِ نجوم میں سچا نہ ہوگا۔ اور نہ کوئی طبیعی عالم اپنی طب میں صادق ہوگا۔ اور نیکی بالکل رک جائے گی۔ اور زمین پر کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا پیدا نہ ہوگا۔ زمین پر بہت سے حوادث پیدا ہوں گے۔ یا دعا اور اوراد کی طرف توجہ وغیرہ جیسے عارضی اسباب کی وجہ سے وہ رک جائیں گے۔ اُس وقت اس نظام کا ختم کرنا ضروری ہو جائے گا۔

(۳) حکمتِ ربانی میں ایک مخفی راز ہے جس میں چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے جس طرح

یہ نہیں کہا جاتا کہ آگ کیوں گرم و خشک ہے۔ اور پانی کیوں ایسا نہیں ہے۔ اور سورج کی مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کیوں تیز ہے۔ اور مغرب سے مشرق کی طرف اس کی (ذاتی) حرکت ایک سال میں پوری ہوتی ہے۔

اس کے بعد ملت اور خلافت کے واقعات کی (عالم بالا میں) تشبح و صورت پذیری کی نوبت آئی۔ خاص طور پر وہ واقعات جو کہ خلفائے راشدین کے دور میں ظاہر ہوئے۔ جیسے عراق شام اور مصر کی فتوحات، مال و دولت کی فراوانی، اور یہ کہ کسریٰ ہلاک ہوا۔ اور اس کے بعد کسری نہیں ہے۔ اور قیصر ہلاک ہوا۔ اور اس کے بعد قیصر نہیں ہے۔ پھر اس ظالم بادشاہ کے واقعات جو بنی امیہ میں ہوا۔ ان واقعات نے قوی اثر چھوڑا۔ پھر بنی عباس کی حکومت کے واقعات اس کے بعد ترک سلجوقی چنگیزی وغیرہ کے فتنے ہوئے۔

جاننا چاہیئے کہ ان حوادث اور واقعات کی صورتوں کے مختلف طبقے اور درجے ہیں۔ جب کسی بڑے واقعے کو چھوٹے سے نسبت دی جائے تو چھوٹا یوں نظر آئے گا۔ گویا یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تب حصر کے ساتھ کہا جائے گا کہ بس یہی حادثہ ہے۔ جب اس کو کوئی ایسا شخص دیکھے گا جس کو حقیقت حال کا علم نہیں ہے تو وہ اس کو خلاف واقعہ سمجھے گا۔ اور اس پر اعتراض کرے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ہمارا ملک شام ہی ہے۔ اس میں جو انحصار معلوم ہوتا ہے، اس میں ایک منتخر کو حیرت ہوگی۔ کہ شام کے سوا اور ملک بھی تو وسیع اور زیادہ ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس صورت کی طرف نظر فرمائی جو دوسرے درجہ پر تھی۔ پھر آپ نے اسی کی خبر دی۔ اور اس کو جب تیسرے طبقے سے نسبت دی جائے گی تو ایسا معلوم ہوگا کہ تیسرے طبقے میں کسی بھی شئے کی صورت نہیں ہے۔ اسی طور آپ نے فرمایا کہ دین غالب ہوگا۔

جب تک کہ بارہ خلیفہ ہوں۔ (اس کو شن کر) شک کرنے والا یہ شک کرے گا۔ اور کہے گا کہ اس سے اگر خلافتِ نبوت مراد ہے تو وہ تیس برس میں گزر گئی اور اس میں خلیفہ ہو گئے۔ اور اگر خلافت سے مراد عدل و دیانت کا دور ہے۔ تو یہ بارہ خلفاء کے دور میں تھا۔ اور ان کے بعد بھی عدالت اور دیانت احسن طریقے پر رہی ہے۔ اور اگر بارہ خُلفاء سے مراد متفرق ہے۔ تو عادل لوگ اِن بارہ سے زیادہ گزرے ہیں۔

حق یہ ہے کہ ملت کو درجہ بدرجہ انحطاط اور تغیر لاحق ہوتا ہے۔ جو بات چار خلفاء کے دور میں تھی۔ وہ دوسروں کے عہد میں نہ تھی۔ اور جو کچھ شام کی حکومت کے دور میں تھا، وہ بعد میں نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں طبقوں کو شمار فرمایا۔ اور ان کے بعد کے دور کا زیادہ خیال نہ فرمایا۔ یہ دو طبقے بارہ خلفاء میں پورے ہو گئے، جو سب کے سب قریش میں سے تھے۔ چار تو خلفائے راشدین ہیں۔ اور حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر، عبدالملک اور اس کی اولاد سے چار اور حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ پھر رونما ہوا جو کچھ ہوا۔ اسی طرح قربِ قیامت کے سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ مَیں قیامت کے آگے بھیجا گیا ہوں۔ اس میں آپؐ نے ان وقائع اور مدت کو شمار نہ فرمایا جو اس سے پہلے ہیں۔

چھٹی اصل یہ ہے کہ نور جس کا ہم نے پہلے نبی الانبیاء نام رکھا ہے۔ اس لائق تھا کہ خدا پاک کی طرف سے خاص رحمت کے نزول میں حق کا جار حہ بنے۔ ایسی رحمت کہ گنہگاروں کے نفوس کو اچھی طرح گھیر لے۔ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے۔ اور دنیا کی جن خبیثہ ہیئتوں سے ان کے نفوس آلودہ ہو گئے ہیں، یہ رحمت ان کو ہٹا دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت اللہ تعالیٰ کا جارحہ بننا۔ اس کا مصدر و منبع وہ لطف ہے جو کہ سخت شرائع کے نزول، پیغمبروں کے بھیجنے اور زمین میں اللہ کے

شعائر مقرر کرنے کا سبب ہوا لیکن یہ ایک نہایت کامل انسان کی پُرجوش ہمت پر موقوف ہے۔ تاکہ اس کی ہمت پگھلے ہوئے سونے کے قالب کی طرح ہو۔ یا پرندوں کے گھونسلے کی طرح یا جیسے ہم مادہ کے لئے صورت ہوتی ہے اس کی مثال نفس کلیہ جیسی ہے کہ وہ زمین پر نہیں اترتا۔ اور نہ موالید میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور نہ مخصوص قالبوں میں متعین ہوتا ہے۔ مگر زمین کی استعدادات اور صورتوں کے مطابق اس کا نزول ہوتا ہے۔ اسی لئے نفسِ ناطقہ کے فیضان کے لئے والد کا نطفہ اور والدہ کا رحم شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح نفسِ نباتی کے فیضان کے لئے ہوا کا داخل ہونا، پانی کا زمین میں ہونا اور بیج کا واقع ہونا۔ ان سب کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کریں۔

تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی سابق تقدیر میں یہ مقدر کر رکھا تھا کہ یہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ وہ خدا کی طرف دعا کی بڑی رغبت کریں گے۔ ان کی دعا کی وجہ سے اللہ کا وجود نبی الانبیاء کے ذریعے برمنارہ ہے گا۔ یہ راز آپؐ کے نفس مبارک میں پوشیدہ ہوا۔ آپؐ نے اپنی ذات کی معرفت سے اس راز کو بھی جان لیا۔ اور اس سے حشر کے واقعات کا علم بھی آپؐ کو حاصل ہو گیا۔ اور اس سے یہ بھی ضروری ہو گیا کہ آپؐ تمام انسانوں کے قائد اور امام ہیں۔ اور تمام لوگ حضرت آدمؑ اور ان کے سوا سب لوگ آپؐ کے جھنڈے کے تلے جمع ہوں۔ اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعتِ کبریٰ کے فاتح ہوں۔ آپؐ کی شفاعت کے سلسلے میں لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند وہ انسان ہو گا جس نے اپنے نفس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی استعداد و ملکہ حاصل کیا ہو گا۔ اور آپؐ پر زیادہ درود پڑھا ہو گا آپؐ

کے اس کمال سے چار علوم پھوٹے۔

ایک علم محاسبہ ہے۔ محاسبہ کہتے ہیں اُن اچھے اور بُرے اعمال کی اطلاع پانے کو جو نفوس کے دامن سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اور ان کا اثر نفوس میں نقش ہو چکا ہے۔ اور علمِ محاسبہ کی دوسری بات یہ ہے کہ ہر عمل کے عذاب اور ثواب والی خاصیت کو بھی معلوم کیا جائے۔ اس دن اس پہ اطلاع اس طرح ہو گی کہ نفوس پر جو دنیا کی غلیظ تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں۔ وہ سب چھٹ جائیں گی۔ یہ محاسبہ انسانوں کے معاملہ میں اس دن مخصوص ہو گا۔ باقی اگر حق تعالیٰ کی جہت سے دیکھا جائے تو محاسبہ میں کوئی تجدد نہیں ہے۔ یہ ہر وقت ہوتا رہتا ہے۔

جب محاسبہ کا وقت آئے گا تو حکمتِ الٰہیہ کے رو سے یہ ضروری ہو گا کہ مثالی صورتیں ظاہر ہوں گی جن میں محاسبے کی روح داخل ہو جائے۔ اور اس میں انسانِ اکبر کی طرف سے تخصیص پیدا ہو گی جیسے انسانِ اصغر کی طرف سے یہ تخصیص ہوتی ہے کہ اس کے مدرکات میں بزدلی خرگوش کی صورت میں اور غضب شیر کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔

اہم مثالی صورتیں جن کو پیغمبر علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے چند ضروری ہیں :۔ ایک انسانوں کے روبرو اُن کے اعمال کا پیش کرنا۔ اور اعمال کا ان کے مناسب ذاتی اشکال میں صورت پذیر ہونا۔ یہ صورتیں ایک طرح اُن کو لازم ہوتی ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و دولت کی زکوٰۃ نہ دینے والے کے متعلق فرمایا کہ اس کی گردن میں گنجے سانپ کا طوق پڑے گا۔ یا اونٹ اپنے پاؤں سے اُسے روندیں گے۔ اور گائیں اُس کو اپنے سینگ ماریں گی۔ [1] مناسب اور خائن کے حق میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ آپؐ نے

---

[1] اگلے صفحہ کے حاشیہ پر

فرمایا۔ کہ غادر یعنی عہد شکنی کرنے والے کے سُرین پر جھنڈا گاڑ دیا جائے گا۔[1] اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے چلے گا۔[2] یا وہ صورتیں عرضی ہوں گی جیسے چہروں کا روشن ہونا۔ یا سیاہ ہونا۔ اور موذّن کی گردن کا دراز ہونا۔ وغیرہ۔

مثالی صورتوں کی دوسری مثال انسانوں کے نامۂ اعمال کا پڑھنا۔ دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ سے یا پشت کی طرف سے نامۂ اعمال کو پکڑنا۔ اور اللہ تعالیٰ کا اس طرح کلام کرنا: کیا میں نے تجھ کو سردار مُطاع نہیں بنایا تھا؟[3]

تیسری مثال یہ ہے کہ ہر امت کو حکم ہو گا کہ اپنے اپنے معبود کے پیچھے ہو جائے۔ پھر وہ ان کو جہنم میں گرا لے گا۔ اور مومن خاص تجلّی کے ذریعہ بچ جائیں گے جس کو انہوں نے اللہ اور اس کی صفات کے بارہ میں حق مانا تھا۔

چوتھی مثال میزان کا قائم ہونا۔ اور اعمال کا تولنا۔ یہاں تک کہ وہ پرچہ جس میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہو گا، وہ بھی تولا جائے گا۔

پانچویں مثال چھپی ہوئی خصلتوں کا ظاہر ہونا جنہوں نے دنیٰی اعمال کی خاص صورت نہیں پائی، اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ایک چیز کا حکم فرماتا ہے۔ اور اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ تو اس سے تابعداری اور رجا وغیرہ ظاہر ہوتی ہے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے

[1] اس حدیث کو امام بخاری نے بروایت حضرت ابن عمرؓ اپنی صحیح میں "باب اثم الغادر" میں ذکر کیا ہے

[2] سورۂ تحریم آیت ۸

[3] اس حدیث کے لئے دیکھیے کتاب النہایہ تالیف حافظ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ طبع خیریہ مصر

چھٹی مثال پل صراط کا قائم ہونا۔ اور دوزخ کے کانٹوں کا ظاہر ہونا کچھ لوگ بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ یا ہوا کی طرح۔ اور کچھ پیدل ہونگے جو سلامت گزر جائیں گے۔ اور کچھ لوگ زخم کھا کر نجات پائیں گے بعض ایسے ہوں گے جن کو کانٹے اچک لیں گے۔ اور وہ دوزخ میں گر پڑیں گے۔ یہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے محاسبہ کی صورتیں ہیں۔ اور نفوس کا اپنے اعمال کی حالت پر اطلاع پانا ہے۔

دوسرا بنی الانبیاء کی راہ سے نزول رحمت کا علم ہے۔ ہم اس کی حقیقت پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ کئی صورتوں میں متمثل ہوتا ہے:۔

ا:۔ انبیاء، رسل، اولیاء، قرآن اور اعمال کی شفاعت کا ہونا اور انبیاء اور اُن کے ساتھی شہداء کا سرکش کافروں سے مخاصمہ کرنا اور جھگڑنا اور ان کا اُن سے ہنسی کرنا اور اُن کی مصیبت پر خوش ہونا۔

۲:۔ حوض کا ظاہر ہونا اور یہ کہ مومن مخلص اس حوض کا پانی پئیں گے اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کو اس حوض سے ہنکایا جائیگا۔ جیسے اجنبی اونٹ کو ہنکایا جاتا ہے:

تیسرا علم آرام اور تکلیف کا جوہری یا عرضی مناسب صورتوں سے متمثل ہونے کا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ نفس انسانی جب تک دنیا میں ہوتا ہے۔ تو وہ کئی نوع سے نفع حاصل کرتا اور آرام پاتا رہتا ہے۔ جیسے اچھا کھانا۔ اچھا پینا، مرغوب شادی، عمدہ لباس اچھی رہائش اور دوسرے بھی کئی منافع ہیں۔ جو ایک ایک فرد کے ساتھ مخصوص ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی اسی نوع سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کے لیئے ایک لونڈی پیدا کی ہے جو گندم گوں اور سرخ ہونٹ والی ہے۔ یہ اس لئے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو گندم گوں اور سرخ ہونٹ کی طرف رغبت تھی پیغمبر علیہ السلام کا

اونٹ اور گھوڑے کے متعلق فرمانا بھی اسی قسم سے ہے۔ کوئی ایسی آرام دہ حالت جو ہمارے خواب میں اُنس، انشراح اور اطمینان کا لباس پہن کر آئے گی تو ایسی حالت مومن کو جنت میں عطا کی جائے گی۔ اور اسی طرح کوئی تکلیف دہ حالت جس سے نفرت، وحشت اور تنگ دلی پیدا ہوتی ہے ایسی حالت کافر اور منافق کو دوزخ میں دی جائے گی۔ یہ مجمل کلمہ تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح شرح فرمائی۔

یہ جو تھا علم۔ لوگوں پر جنت کے ایک ٹیلے پر اللہ تعالیٰ کی تجلّی ہے۔ یہ ایک ایسا عطیہ ہے جو لوگوں کو ان کے عمل کی وجہ سے عطا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کو انہوں نے کسب کو چھوڑ دہبی اور جبلی بخشش سے حاصل کیا ہے۔ یہ عطا اُن پر اس لئے ہوئی ہے کہ اُن کو نفسِ انسانی عطا ہوا ہے۔ اور اچھی صورت پر ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ ہاں اعمال کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ موانع کو ہٹاتے ہیں۔ اور حجابات کو اٹھا لیتے ہیں۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو۔ پھر اگر تم میں سے کوئی یہ طاقت رکھتا ہے کہ صبح اور عصر کی نماز کو نہ چھوڑے (اور اس پر دوام کرے) تو یہ عمل کرے۔

جاننا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ذات میں سوچنے کو ہمارے لیے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ کہہ کر اس سے منع فرمایا ہے کہ "خالق میں تفکر نہ کرو" اور یہ بھی فرمایا کہ "رب تعالیٰ کی ذات میں سوچنا نہیں ہوتا۔" اس نہی میں اللہ کی صفات کی بحث بھی داخل ہو گئی۔ یعنی اللہ کی صفات کے حقائق کا بیان اور صفات کے ساتھ ذات کے متصف ہونے کی کیفیت کہ سمع و بصر دونوں غیر علم ہیں یا عین علم ہیں۔ کلام نفسی ہے یا کوئی دوسری شئے ہے۔ اسی پر دوسرے مباحث کو بھی قیاس کیا جائے۔ باقی کچھ چیزیں ضرور ایسی ہیں کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم کے نفوس کو انہیں ادراک کرتے ہوئے پایا۔ اور وہ ان صفات سے رب تعالیٰ کی توصیف کرتے ہیں تعظیم و تقدیس تنزیہ اور تشبیہ کے ساتھ جیسے یہ کہنا کہ اللہ کو مخلوق پر قدرت حاصل ہے۔ وہی اس دنیا کا نظام چلاتا ہے۔ اور اس کی مانند (دوسری عبارتیں بھی ہیں) آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا کمال ان چیزوں کی معرفت کے بغیر کامل نہیں ہوگا۔ اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ لوگ ہر زمانے میں ان اوصاف ہی سے رب تعالیٰ کی توصیف کرتے آرہے ہیں۔ اس لئے آپ نے بھی ایام اللہ (گزرے ہوئے واقعات) اور نعمتوں کی تذکیر کی اساس ان اوصاف پر رکھی۔ اور اپنے کلام مبارک میں ان کو استعمال فرمایا۔ جیسے وہ استعمال کرتے تھے۔ آپ نے ان کی حقیقتوں کی شرح اور کنہ کے بیان کرنے سے گریز فرمایا۔ اور تشبیہات کے استعمال سے بھی آپ پیچھے نہ رہے۔ جیسے اللہ کے بارے میں ہاتھ پیر ضحک (ہنسنا) وہ قرون جو پیغمبر علیہ السلام کے فرمودہ کے مطابق خیر القرون ہیں وہ بھی اسی طرز پر گزریں بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنا نام "اہل سنت" رکھا۔ حالانکہ سنت اُن سے کئی منزلیں دور ہے۔ انہوں نے بے فائدہ باتوں میں کلام کرنا شروع کر دیا۔ اور ایسی بات کہنے لگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی تھیں۔ خدا اس عام مصیبت سے پناہ میں رکھے۔ اور اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

وہ معجزات جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے اُن کے وہ اصول جن کی طرف وہ معجزات رجوع ہوں۔ بلکہ جو کرامتیں جملہ کامل لوگوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ان کی بھی اصل کئی چیزیں ہیں:۔

ایک بخت ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کے نفوس میں ایک نقطہ ہے، جس کی طرف سب کھنچ کر آتے ہیں۔ اور وہ ان پر غالب آتا ہے۔ اور ان کو اپنی طرف اس طرح

کھینچتا ہے، جس طرح مقناطیس لوہے کے اجزاء کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پھر اگر قوی سعادت والا ہوتا ہے، تو وہ اس کی بات کو واجب قرار دیتا ہے کہ اس کے نفس میں اور اس کے اردگرد میں جو لوگ ہیں، ان کے نفوس میں بلکہ بہائم اور ملائکہ میں بھی ایسے خیالات ڈال دیئے جاتے ہیں جو اس کی رفاہیت (آرام) اور رفاقت کی رغبت دلائیں۔ اور اگر وہ شقاوت اور بدبختی میں قوی ہوتا ہے، تو وہ اس کو واجب کرتا ہے کہ اس کے نفس میں اور اس کے اردگرد جو انسان، ملائکہ اور بہائم ہوں، ان سب کے نفوس میں ایسے خیالات ڈال دیئے جاتے ہیں جو اس کو تکلیف میں ڈال دیں۔ اور بلا میں پھنسائیں۔

میں نے بارہا دیکھا ہے کہ ایک شخص کی ہلاکت کے لیے قضا انعقاد پذیر ہوئی۔ یہ قضا اسباب کی طرف اس طرح چلی جیسے گھاس والی زمین میں پانی بہتا ہے۔ یا سورج کی روشنی پھٹے ہوئے پردے سے اندر جاتی ہے۔ اس میں موجب اور مانع کے وزن کی رعایت کی جاتی ہے۔ اب اگر گھاس یا کوڑا پانی کے چلنے کو روکتا ہے اور پردہ نورِ آفتاب کے نفوذ میں مانع ہے۔ تو دونوں کا برتے کار آنا حسب امکان ہوگا۔ اسی طرح قضا بھی حتی الامکان قریب تر جگہ کی طرف چلتی ہے۔ اگر وہاں نشیب زمین ہوگی۔ اور ایک شخص کا اس میں گرنا نظام اسباب سے بعید نہ ہوگا تو قضا اس کی طرف چلے گی۔ پھر اس شخص کے دل میں اس جگہ کے قریب چلنے کا امکان پیدا ہوگا اور وہاں پہنچ کر اس کا پیر پھسل جائے گا تو اسی میں اس کی موت واقع ہوگی۔ اور اگر وہاں اس کا کوئی دشمن ہوگا۔ اور اس کی خصومت دور کی چیز نہیں تو قضا اس کی طرف چلی تو دشمن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے لڑے

یا اس شخص کو غصہ آیا اور غصے میں دشمن کو گالیاں دیں تو اس کا نتیجہ اس کی ہلاکت نکلا۔ اگر وہاں کوئی چارپایہ ہے تو فوراً اس کی طرف چلی۔ اس چارپایہ نے اس کو لات ماری یا اسے اپنے منہ کے جبڑوں سے پوری طرح کاٹا اور اسی میں اس شخص کی موت واقع ہوئی۔ اور اگر اس دن ملائکہ کا الہام قریب تھا تو فوراً ان کی طرف چلی تاکہ ملائکہ اس کام کو پورا کریں، جو پہلے مقدر ہو چکا ہے۔ ہر شے کے لیے ان اسباب میں سے کوئی نہ کوئی اسباب ہوتے ہیں، جو اس شے کو واجب اور ضروری بنا دیتے ہیں۔

بخت بلیشتر اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ ہم نے بارہا یہ مشاہدہ کیا ہے کہ بعض لوگوں کے نفس میں روشن ستارے کی طرح ایک چمکدار نقطہ ہوتا ہے۔ جس سے کئی شعاعی خطوط نکلتے ہیں۔ جو لوگوں، ملائکہ اور بہائم کے نفوس میں نفوذ کرتے ہیں۔ جب ادھر سے تاثیر اور ادھر سے اثر قبول کرنا ہوتا ہے تو یہ اس کے ساتھ احسان کرنے کے ارادے کو ضروری قرار دیتا ہے اور اس کی محبت سے دل بھر جاتا ہے۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کے نفس میں نقطہ تو ہوتا ہے لیکن اس میں ویسی تابانی اور چمک نہیں ہوتی۔ پھر وہ اسماء الٰہیہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اور اس کے مانند دوسرے کام کرتا ہے تو اس کے نفس کا نقطہ بہت ہی چمک جاتا ہے۔ اسی جہت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول روز سے لے کر جس وقت آپ پیدا ہوئے اور جب اپنی دایہ کے پاس دودھ پیتے تھے۔ تو آپ کے لیے جہاں ہوں، رحمت، رزق اور لطف ظاہر ہوتے تھے۔ آپ کے دوست ہمیشہ فتح پاتے تھے اور آپ کے دشمن خوار ہوتے تھے۔ جو چیز آپ کے لیے تکلیف دہ ہوتی تھی۔

اس کو آپ سے ہٹایا جاتا تھا۔ اس طرح آپ برابر بڑھتے گئے، یہاں تک کہ اس مرتبے کو پہنچے، جہاں پہنچے۔

دوم یہ کہ آپ اچھی صورت اور معتدل مزاج میں ایسے وقت پیدا ہوئے کہ اس میں ستاروں کی قوتوں کا سعید اجتماع ہوا تھا۔ یہ آپ کے لیے بڑی بزرگی، غلبہ اور عرب و عجم کے لیے آپ کی امامت کا متقاضی تھا کہ لوگوں کو آپ کی اطاعت کے لیے کھینچ کے لایا جائے اور آپ کی طرف جو ملت منسوب ہو وہ قیامت تک باقی رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے میں یعنی انواع، اشخاص اور ہیئات میں کوئی نہ کوئی اثر اور خاصیت ودیعت کر رکھی ہے۔ اچھے نظام کی کسی بھی چیز کو اس کے اثر اور خاصیت (کے اظہار) سے نہیں روکا جاتا۔ آپ کی اس فضیلت اور خاصیت نے اس کو ضروری قرار دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے جمیل (خوبصورت) ہوں اور خلق میں سب سے کامل اور سب سے زیادہ بہادر ہوں۔ اور سخاوت، حلم، عدالت اور فصاحت میں سب انسانوں سے بڑھ کر ہوں۔ اور آپ ایسی قوم سے پیدا ہوئے جو عرب میں اشراف اور برگزیدہ لوگ تھے۔

جن لوگوں کو حظیرۃ القدس کے فیصلوں کی معرفت کے سلسلے میں تھوڑا بھی لگاؤ تھا۔ جیسے کاہن لوگ، جن، نجومی اور اس قسم کے دوسرے لوگ، یہ سب شروع سے اپنے علم اور فن سے یہ جانتے تھے۔ کہ (آخری دور میں ایک بزرگ پیغمبر ہوگا) جس کے حق میں یہ سب چیزیں اور فضائل مقدر ہو چکے ہیں۔ آپ سے پہلے جو انبیاء اور ان کے تابعدار راہب اور عرب کے عبادت گزار تھے۔ وہ تو آپ کی آمد اور

آپ کے فضائل سے پورے طور باخبر تھے۔

یہ دونوں خصلتیں ایسی ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عادل بادشاہوں میں سے جو اچھے اخلاق اور بخت سعید کے حامل تھے وہ بھی اپنی استعداد کے موافق شرکت رکھتے ہیں۔

ایسا شخص کم ہی ہوگا کہ ایک سلطنت کا بانی ہو۔ اور اس کے بارے میں اس قسم کے غیر معمولی خارقِ عادت اُمور جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، مروی نہ ہوں۔ اسی طرح ایسا شخص کم ہی ہوگا کہ وہ اپنے اخلاق میں کامل ہو۔ اور اس کے وجود میں آنے کے وقت ستاروں کی سعید قوتوں کے اجتماع اور اس قسم کی دوسری چیزوں کا ہونا مروی نہ ہو۔

سوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مفہّم من اللہ تھے۔ گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات کی خبروں کو جس قدر اللہ کی مشیت ہوتی آپ غیب سے حاصل کر لیتے تھے۔ کیونکہ آپ کے اندر کی تختی ان الائشوں سے صاف تھی جو زنگ باطن کی موجب ہوں اور جس واقعے کی صورت حظیرۃ القدس میں ثابت ہے، اس کے انطباع کو روکیں۔ اس کا راز ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ پھر کبھی آپ کے سامنے کوئی چیز خواب میں متمثل ہوتی تھی، جس کی حقیقت حال پر تعبیر کے ذریعے آپ کو اطلاع ہو جاتی تھی۔ اور بلا واسطہ بھی آپ جانتے تھے۔ کبھی تھوڑی دیر کے لئے آپ کو بیداری میں کوئی چیز متمثل ہو کر آتی تھی اور پھر جلدی مٹ جاتی تھی۔ یہ (اصل میں) رنگ اور شکل وغیرہ کی طرح تھی۔ کبھی کوئی فرشتہ انسانی صورت میں آپ کے پاس آتا تھا۔ اور آپ سے خطاب کرتا تھا جسے آپ یاد کر لیتے تھے۔

جسے اللہ تعالیٰ نے واقعات کی تاویل کا علم کیا ہے، اسے ان امور میں دو

باتوں میں تامل کرنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ جو واقعہ وہ دیکھ رہا ہے، اس کا دوسرے واقعات اور حوادث سے امتیاز کرنا ضروری ہے۔ تاکہ یہ حادثہ دوسرے سے انکشاف میں نمایاں ہو۔ یہ تمیز کئی طریقوں پر ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ نفس کو اس کی طرف ظاہر میں اشتیاق پایا جاتا ہے جیسے کسی شخص کو ایسی چیز بلائی جائے جس کی وہ توقع رکھتا ہو۔ یا اس کے اندر اس کے لئے چھپا ہوا شوق ہو۔ جیسے کوئی محتاج آدمی آسودگی کی طرف مشتاق ہوتا ہے لیکن وہ اپنے کسب اور حیلوں سے آسودگی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ اس ساعت میں اس کے ذہن میں ان باتوں کا کوئی معمولی تصور بھی ہو۔ تمیز کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ملأ اعلیٰ میں اس حادثے کی صورت کا انطباع قوی طور پر ہوا ہے پھر کوئی ایسا انسان جس کو ملأ اعلیٰ تک رسائی ہوگی، اس کے ذہن میں اس حادثے کی کسی جھلک کا ہونا ناگزیر ہے۔ اور یہ صورت بڑے واقعات میں ہوتی ہے۔ جیسے کسی حکومت کا پیدا ہونا۔ اور دوسری حکومت کی تباہی، عام قحط اور وبا وغیرہ کا ہونا۔ جب یہ صورت ہوتی ہے تو قوم کے خواب اور مکاشفات اس سے موافق ہوتے ہیں۔ تیسری وجہ حق تبارک و تعالیٰ کی تدبیر ہے۔ اور اس کی رُو سے اچھا نظام اُس وقت تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ جب اس کی استعداد رکھنے والے کے دل میں اس کا علم رکھا جائے۔ اس لئے فرعون ہی نے خواب میں قحط دیکھا۔ اور اس کو اپنے کام میں بصیرت پیدا ہوئی[1]۔ کسی کے قلب میں علم کے اس فیضان کے لئے دو رکنوں کی . . . ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ نفس اس کے لئے مستعد ہو۔ اور دوم اللہ کا قصد اور اُس کی

[1] یہ فرعون حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کا فرعون معلوم ہوتا ہے جس کو سات گائے کی صورت میں خواب میں قحط دکھایا گیا تھا۔ اس کا قصہ سورۃ یوسف میں آیا ہے۔

رحمت کا فیضان ہو۔ ان دونوں رکنوں کا اجتماع مختلف وجوہ سے ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ اس میں جُود استعداد پر غالب ہوتی ہے۔ اور یہ ان علوم میں ہوتا ہے جن کے ساتھ جمہور کی اصلاح وابستہ ہوتی ہے۔ یا ایک قوم یا کسی شخص کی اصلاح کا مدار اس پر ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ اس میں استعداد جُود سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ اُن علوم میں ہوتا ہے، جن کا لوگوں کی اصلاح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پہلا علومِ انبیاء علیہم السّلام کا منشا ہوتا ہے۔ اور وہ مطلق صادق ہوتا ہے۔ اس کا لوگوں کو مکلف بنانا صحیح ہوتا ہے۔ دوسرا اولیاء کے علوم کا منشا ہوتا ہے۔ اور وہ ایک حال کے لحاظ سے سچا ہوتا ہے۔ اور دوسرے حال کے نہیں۔ اور کسی نفس میں صادق ہوتا ہے۔ اور کسی میں نہیں ہوتا۔ (جو انبیاء کے ورثاء ہیں) وہ اس سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک نفس سے کسی مخصوص واقعہ کی مناسبت ہوتی ہے۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی اصل فطرت کی جزئی حوادث سے مناسبت ہوتی ہے۔ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی اصل فطرت بڑے امور سے مناسبت رکھتی ہے۔

دوسری چیز (جس میں تاویل احادیث کے عالم کو سوچنا ضروری ہوتا ہے) یہ ہے کہ نفس کی دنیوی موانع سے خلاصی چند مخفی اسباب کی بنا پر ہوتی ہے۔ بعض مشغولیت تو اصل نفس کے آرام کا باعث بنتی ہے۔ اور نفس (ایسی حالت میں) صرف آرام میں مشغول رہتا ہے۔ اور کبھی (کسی چیز میں) رغبت پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ اس میں غور و فکر کرنے کی طرف پہنچاتی ہے۔ اور کبھی مزاحمت ہوتی ہے تو پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔

ان امور میں یہ بھی ہے کہ آپؐ کے نفس اور اس کے جمیع متعلقات کو عظیم

برکت عطا ہوئی تھی۔ برکت کی حقیقت یہ ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کی رحمتوں دعاؤں اور رضا سے ایک وسیع سبب بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور وہ سبب اس کے نفس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اس سے طبعی اسباب میں بسط پیدا ہوتا ہے۔ پھر عادت میں نفسانی حالت کبھی ایسی ہوتی ہے کہ جس سے انسان کو بھوک کا احساس نہیں ہوتا۔ اور بدن کے اجزاء حرارت غریزی کی وجہ سے نہیں گھلتے۔ جیسے طبیعت کا کسی بیماری کو دفع کرنے میں مشغول ہونا۔ یا شرمندگی، خوف، حمیت وغیرہ کا احساس اس حالت کی استعداد خود نفس اور بدن میں ہوتی ہے۔ چنانچہ جب برکت نازل ہوتی ہے تو اس استعداد سے مل جاتی ہے تو ایک بڑی مدت تک عقل کی مقتضا سے زیادہ قوت سے بدن میں اس کو روک دیتی ہے۔ اور برکت والا انسان جب اس اثر کے ظہور کا ارادہ کرتا ہے تو صمد اور قدوس جیسے اسماء حسنہ کے ذکر سے تمسک کرتا ہے تاکہ اپنے نفس کو اس نفسانی حالت کی طرف متوجہ کرے یا برکت کو اس صورت میں مشخص کر دے۔

بعض نفسانی حالات عادتاً ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے بطش (پکڑ کی) اور بیداری کی قوتیں پیدا ہوتی ہیں جیسے دل کا انبساط، حمیت، رغبت، خوف وغیرہ کا پیدا ہونا۔ اس حالت کے لئے ایک استعداد کا ہونا ضروری ہے۔ جب یہ برکت نازل ہوتی ہے۔ اور اس استعداد سے آکر مل جاتی ہے۔ تو پکڑ کی قوت اور بیداری کو کئی گنا بڑھا دیتی ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی اور دوست کے افعال اور ہیئات کو دیکھتا ہے تو ان سے اس کو ایسے پوشیدہ امور کی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں جو اس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہوتیں اور نہ اس کو خود کسی دوسری حالت میں ایسی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور اس حالت کے لئے ایک استعداد ہوتی ہے۔ جب اس استعداد سے برکت ملتی ہے تو خلاف عادت فراست کو واجب اور ضروری قرار دیتی ہے۔

ہر نفس میں اُسے اپنے رب تبارک وتعالیٰ اور اس کے شعائر کے متعلق جو اعتقاد ہوتا ہے اُس کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کے قلب کو جس چیز کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے۔ تو اس کی بھی قلب سے متعلق ہونے کی کوئی شکل اور صورت ہوتی ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی پوری ہمت کے ساتھ اس اعتقاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو وہ اعتقاد کسی نہ کسی شکل اور صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ یہ اکثر تو خواب میں ہوتا ہے۔ اور کمتر بیداری میں بھی ہوتا ہے۔ پھر اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس استعداد کے وقت اس کے ساتھ برکت مل جاتی ہے۔ تب وہ ایسی تجلیات اور مبشرات کو ضروری قرار دیتی ہے جس کے ادراک تک عام لوگوں کی پہنچ نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ آپ کے بارے میں متواتر طور پر مروی معجزوں میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی طعام یا پانی پر دعا فرماتے تھے تو اس میں بہت برکت پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کی یا تو یہ صورت ہوتی تھی کہ صرف شئے کا نفع بڑھ جاتا۔ اور وہ شئے زائد نفع کی جگہ لے لیتی۔ یا وہ خود شئے بھی بڑھ جائے۔ اور اس کا مادہ ملأ اعلیٰ کی ہمتوں کے انوار کا مطیع ہو جاتا۔ اور وہ پانی اور طعام کی شکل اختیار کر لیتا۔ عادت میں اس کی نظائر موجود ہیں۔ ان دونوں خصلتوں میں مفہمین اور اولیاء بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ اس لئے اولیاء کے مناقب کی کتابیں اس قسم کی کرامات سے تجھے پُر دکھائی دیں گی۔ مثلاً کشف، دل کی بات بتانا، التفات، دعا کا مستجاب ہونا وغیرہ۔

دوسرا معجزہ یہ ہے کہ قلیل الوقوع اسباب کی بنا پر کم واقع ہونے والے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو خوارق (عادت کے خلاف امور) کہا جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کو خرق یا عادت کے خلاف کہا جاتا ہے۔ وہ فی الحقیقت امور عادیہ سے ہوتی

ہے۔لیکن جب کہ اس کے اسباب کم واقع ہوتے ہیں۔اس لئے اس کا ظہور بھی کم ہی ہوتا ہے۔ اور عام لوگوں کو ایسی چیزوں کی توقع نہیں ہوتی۔اس لئے ان کو خوارق (عادت کے خلاف امور) کہا جاتا ہے۔امر خارق کے لئے بسا اوقات نظیر ہوتی ہے جو لوگوں کے ہاں مالوف ہوتی ہے۔یا وہ خارق ہونے میں اس سے اتم ہوتی ہے لیکن اس کی طرف عام لوگ التفات نہیں کرتے۔جب ان کے ہاں کوئی امر خارق بڑی اہمیت اختیار کرتا ہے۔اور اس سے لوگ متعجب ہوتے ہیں۔اور لوگوں کی زبان پر اس کا عام ذکر ہوتا ہے۔اور اس کو تواریخ میں درج کرتے ہیں۔جیسے معمولی مدت میں پانی کا سنگِ مرمر بن جانا تو اس کی طرف (عام الوقوع ہونے کے سبب) التفات نہیں کرتے لیکن ایک جسم سے کوئی دوسرا جسم بن جائے جس کی ان کو توقع نہ تھی۔اور نہ وہ ان کو معلوم تھا تو اس کو بڑا کارنامہ خیال کرتے ہیں۔

کبھی کوئی چیز ایک جنس میں خلاف عادت شمار کی جاتی ہے۔اور دوسری جنس میں اس کو ایسا نہیں سمجھا جاتا۔جیسے گہری فراست، لمبی مسافت کو کم مدت میں طے کرنا، مختلف صورتیں اختیار کرنا۔اور دوسرے کے نفس میں تاثیر کرنا یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جنوں میں مالوف ہیں۔اور ان کی طرف سے ایسا ہونا کچھ بھی تعجب کی باتیں نہیں ہیں۔لیکن ان میں اگر کوئی ایک چیز بھی انسان سے صادر ہوتی ہے۔تو اس کو بہت بڑی چیز سمجھا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس قسم کے واقعات ظاہر ہوتے ہیں پھر اللہ تعالےٰ اپنے انبیاء میں سے کسی نبی کے لئے کسی وجہ سے ان کو معجزہ قرار دیتا ہے۔جس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ نبی اس واقعے کے ظہور سے پہلے ہی اس کی خبر دیتا ہے۔یا وہ حادثہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سنتِ مجازات وغیرہ کے موافق ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالےٰ نے عاد اور ثمود کی قوم کو ان کے ان گناہوں کی وجہ سے ہلاک و برباد کیا جو موجب ہلاکت تھے۔پھر

اس کو اللہ تعالیٰ نے ہود اور صالح علیہما السلام کے لئے معجزہ کر دیا۔

ایک ایسے عالم نے جس کو علم الآثار اور حکمت طبیعی کی معرفت ہے، فرمایا ہے کہ چاند کا شق ہونا۔ اس قسم کے معجزہ سے ہے کیونکہ یہ بھی قلیل الوقوع حادثہ تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قرب قیامت کی علامت قرار دیا ہے۔ اور شق القمر کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس لحاظ سے معجزہ بنایا کہ لوگوں نے آپؐ سے ایک علامت (معجزہ) کا سوال کیا تھا تو اللہ نے یہ خبر دی کہ ہم ان کو جلد نشانی دکھائیں گے جب چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دکھایا۔ (اس میں) یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے دو ٹکڑے ہونا حقیقی چاند میں ہوا ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ دھویں کی طرح یا ستارہ گرنے یا کسوف اور خسوف سے لوگوں کو جو (اور فضا) میں دکھائی دیا ہو۔ چنانچہ اُن کے لئے عربی لغت میں وہ الفاظ استعمال کئے گئے۔ جو فی الواقع ان چیزوں کے لئے وضع کئے گئے ہوں۔ اور قرآن لغت عربی میں نازل ہوا ہے۔ اس کی نظیر وہ ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ذکر کیا ہے اور ان کی اقتدا ہمارے لئے کافی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کو قحط سالی نے گھیر لیا۔ اور جب وہ دیکھتے تھے تو (بھوک کے مارے) ان کو آسمان میں دھواں دیکھنے میں آتا تھا۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝

(یاد کرو جب آسمان سے دھواں نمودار ہوگا)[1]

---

[1] بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ اس لئے ہوا کہ جب قریش نے نبیؐ کی نافرمانی کی۔ تو آپؐ نے ان کے حق میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کی قحط سالی کے لئے بد دعا فرمائی۔ ان کو قحط اور تکلیف نے گھیر لیا۔ اور وہ طعام نہ ملنے کی وجہ (باقی اگلے صفحہ پر)

ابنِ ماجشون نے جو کہ ائمہ ہدایت میں سے ایک امام ہیں، فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ایک صورت سے دوسری صورت میں تحویل نہ ہوگی۔ لیکن لوگ ظاہر ہیں اس کو مختلف صورتوں میں مشاہدہ کریں گے۔ ابن ماجشون نے یہ بھی کہا ہے کہ میری رائے میں اس حادثے کا سبب پانی کے صاف ملے ہوئے اجزا کا ایک سطح کی طرح جمع ہونا ہے۔ جس کے عقب میں جبل یا گاڑھا بادل ہو اور یہ آئینے کی طرح بن جاتا ہے۔ جس میں چاند کا عکس پڑے تو لوگ اس کو جو میں دو چاند دیکھیں گے۔ کبھی وہ منطبع ہوتا ہے جو آسمان میں نہیں ہوتا۔ اور کبھی اصلی چاند چھپ جاتا ہے۔ اور جو میں دو ٹکڑے نمودار ہوتے ہیں اور اس کی مثال چاند گرہن، سورج گرہن اور ستارے کے گرنے کی ہے۔ بے شک نص میں آیا ہے کہ یہ سب آیات ہیں۔

میں (شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ میں نے مذکور قول کو بطور امکان و احتمال کے ذکر کیا ہے۔ ورنہ تو اللہ کی قدرت بڑی وسیع ہے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مسئلے اور اس کے متشابہ متشابہات میں، جیسے خدا کے لیے ہاتھ کا ہونا، پیر کا ہونا اور جیسے کہ قیامت کی دوسری چیزیں ہیں، راہِ راست یہ ہے کہ ان کے ظاہر کو دیکھا جائے اور ان کے وجود کی کیفیت میں مشغول نہ ہوا جائے بہر حال یہ اعتقاد رکھے جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے ارادہ فرمایا ہے وہ حق ہے اور یہ نہ کہے کہ اللہ نے یہ ارادہ فرمایا اور یہ ارادہ نہیں فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ تم اس طرح دیکھو گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہؓ اور ان کے پیروکار تابعین، یہ سب اس بحث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے ہڈیاں کھانے لگے۔ اگر کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو بھوک کے مارے اس کو دھواں دیکھنے میں آتا تھا۔ اس کے حق میں یہ آیت "فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین" نازل ہوئی۔

میں نہیں پڑتے تھے۔ جب فلسفیوں کے علوم کو معتزلہ نے چرایا تو وہ ان مباحث میں مشغول ہو گئے۔ پھر اہل سنت نے ان علوم کو معتزلہ سے لیا۔ تو یہ بات ان میں بھی آ گئی۔ ہم نے اپنے بعض کلام میں فلسفیوں سے معتزلہ کی اس چوری اور پھر اہل سنت کی معتزلہ سے چوری کی ایسی وضاحت کی ہے کہ اس سے زیادہ وضاحت نہیں ہو سکتی۔ تمہیں اس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

دنیا میں جو عجیب واقعات ہوتے ہیں۔ ان کے چار اصول پر ہم کو تجھے آگاہ کرنا چاہیئے۔ جاننا چاہیئے کہ ہمارے نزدیک تمام عالم ایک شخص کی طرح ہے اس کا ایک بدن ہے اور ایک نفس ہے جو اس سے متعلق ہے۔ اس کے بدن کے لیے نفس کی تدبیر کا انتظام بھی ایک ہی طرح کا ہے۔ موالید اربعہ یعنی معدن، نبات، حیوان اور انسان میں جو حوادث رونما ہوتے ہیں، ان سب کی مثال آئینہ میں عکس کی مثال ہے۔ عناصر میں ستاروں کی قوتوں کے اتصالات کی صورت کا عکس پڑتا ہے، کسی دوسری چیز کا عکس نہیں پڑتا اور جس طرح آئینے میں آنے والی صورت یا عکس میں صورت اور صورت والے دونوں کا حکم جمع ہوتا ہے۔ اسی طرح حوادث میں بھی ستاروں کے اتصالات اور عناصر دونوں کا حکم جمع ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب انسان کسی بھی آئینے میں دیکھتا ہے تو اس سے آئینے کے اندر انسان کی صورت کا ہی عکس آتا ہے۔ اس میں گھوڑے وغیرہ کا عکس نہیں آتا۔ اور اس میں انسان کے سر، ہاتھوں، پاؤں، آنکھوں، کانوں اور ناک وغیرہ کی شکل آتی ہے، دُم، سونڈ، کندھوں کے بال، سینگ اور کھروں کی صورت نہیں آتی۔ اور جب کوئی شے آئینے کے سامنے ہوتی ہے تو آئینے کے موافق ہی اس

میں عکس پڑتا ہے۔ اگر آئینے کا عرض اس کے طول سے زائد ہے۔ یا طول اس کے عرض سے زائد ہے یا آئینہ مثلث ہے۔ یا سرخ رنگ کا ہے یا سبز رنگ کا ہے تو اس میں عکس بھی ویسا ہی پڑتا ہے چنانچہ رائی (دیکھنے والے) اور آئینہ کے لئے ایک کلی حکم ہے۔ اور دونوں ایک خاص چیز پر صادق آتے ہیں حوادث کو بھی اسی طرح تصور کیا جائے۔ لہذا ان کی حقیقت کو وہ انسان واضح کر سکے گا، جو کہ ارضی طبائع اور ان کے خواص کے علم کا احاطہ رکھتا ہو پھر حوادث میں ان پر نگاہ رکھے، وہ وہاں ایسا قبض اور بسط پائے گا جن کے ساتھ زیریں اسباب کی موافقت نہ ہوگی تو وہ لامحالہ فلکی اسباب کے ثابت کرنے کی طرف محتاج ہوگا۔ ایسے شخص کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ستاروں اور ان کے ایسے کامل حکم کا بھی احاطہ کرتا ہو کہ اگر موانع نہ ہوں۔ تو یہ حکم محقق ہو جائے، پھر وہاں بھی اسی قبض و بسط کو پائے گا کہ وہ موالید کے خواص کے اثبات کے لئے مجبور کر دیں گے۔ اور جب تم نے ہماری مذکورہ بات کا یقین کر لیا۔ تو اب وقت ہے کہ ہم دوسرے سبب کا بھی ذکر کریں۔

جاننا چاہیئے۔ کہ ان دو سببوں کے علاوہ ایک تیسرا سبب بھی ہے۔ جو کلی جسم کے لئے نفس کلیہ کی تدبیر کے انتظام سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی مثال انسان کی ہے۔ اس کے لئے احکام ہوتے ہیں جو اس کی نوع سے پھوٹتے ہیں۔ یہ احکام اس کے جمیع افراد میں موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر فرد انسانی کا راست قامت۔ صاف جلد والے ناخنوں، ہنسنے والا اور ناطق ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے جنین، پھر بچہ، پھر لڑکا ہو۔ اس کے بعد جوان ادھیڑ عمر والا پھر بوڑھا اور آخر میں بڈھا فرتوت ہو۔ پس جب وہ طفل ہوتا ہے تو اس کا مزاج تر اور عقل

کمزور ہوتی ہے۔ اور جب جوان ہوتا ہے تو اس کا مزاج خشک اور عقل قوی ہوتی ہے۔ پھر جب بوڑھا ہوگا تو اس کی اکثر قوتوں میں ضعف آجاتا ہے۔ اور اس پر رطوبت کا غلبہ ہوتا ہے۔ مرد عورت سے زیادہ غیرت مند زیادہ بہادر اور زیادہ عقل مند ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ سب احکام صورت نوعیہ سے پھوٹتے ہیں۔ کیونکہ صورت نوعیہ ان سب میں حکم کلی کا اقتضا کرتی ہے جس میں کہ حکم کا ظہور ہوتا ہے۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا یا اس کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سب اس حکم کی تفصیل ہے۔ اس لئے ہر نوع کے لئے مختلف حکم ہوتا ہے اور کسی بھی نوع کا فرد اس حکم سے پیچھے نہیں رہتا۔

ہاں صرف ایک صورت میں ہو سکتا ہے۔ جہاں بظاہر دیکھنے میں مادے کی نافرمانی ہو۔

اسی طرح صورتِ اولی یعنی نفسِ کلیہ کا بھی بدن اعضا اور قوتوں میں حکم جاری ہوتا ہے۔ جو کبھی ان سے جدا نہیں ہوتا۔ اس کا ایک حکم یہ ہے کہ جب نوع انسان موجود ہو۔ اور اس کا مادہ جو کہ صفات کے لحاظ سے مختلف ہے، صورت کو قبول کرے، تو یہ ضروری ہوتا ہے کہ (اس نوع کے) افراد کے احکام مختلف ہوں۔

ان میں سے کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں کہ انسانیت کے طبقے سے نکل کر ملکیت اور تجردیت کی طرف نہیں جاتے۔ اور نہ طبعی کدورتوں میں ڈوبے رہنے سے دور ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ انسانیت سے بہیمیت محض آلودگی اور ملکی نظافت سے دور رہنے کی طرف نہیں جاتے۔

یہ ضروری ہے کہ ان دونوں اقسام کے رنگ حظیرۃ القدس میں منطبع ہوں۔ جہاں نفسِ کلیہ کی تدبیر اس کے بدن کی طرف اترتی ہے۔ ضروری ہے کہ ان الوان کا حظیرۃ القدس

میں منطبع ہونا اُترنے والے فیض کو ایسے رنگ کے ساتھ متلون کر دے کہ وہ رنگ
حکم صریح معتدل سے کسی قدر مخالفت رکھتا ہو۔ اسی طرح اوپر چڑھنے اور نیچے
اترنے میں یہ امر دائر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نوع کے ختم ہونے کا فیصلہ اُترے
بلکہ جملہ حیوانات اور نباتات ختم ہو جائیں۔ پھر قضا ایسے فلکی اتصال اور ارضی ہیئت کا
انتظار کرتی ہے کہ یہ دونوں اس (فنا) کا تقاضا کریں۔ جب یہ ہوگا تو قیامت کا ہونا
بھی ضروری ہوگا۔ یہ حکم ہے نفس کلی اور اس تربیت کا جس کو وہ مقتضی ہے۔

اسی طرح جب اکثر انسان شیطنت اور بہیمیت کو اختیار کرتے ہیں۔ اور ان
کے شر کو کوئی روکنے والا نہیں ہوتا۔ تو ایک رسول کے بھیجنے اور کتاب کو نازل کرنے
کے لئے حظیرۃ القدس میں فیصلہ ہوتا ہے۔ پھر قضا زکی اور مفہم شخص کے وجود کا انتظار
کرتی ہے۔ یہ شخص ایسا ہوتا ہے جس کے نفس میں ستاروں کی قوتیں اس طرح جمع
ہوتی ہیں کہ وہ ملت کے ظہور اور قیام کا موجب بنتی ہیں۔ لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے۔ ان
کے قلوب کی تالیف ہوتی ہے۔ اور علوم کا ظہور ہوتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو قضا اس
کے سینے میں جوش مارتی ہے۔ اور غیب اور شہادت کے درمیان متوسط موطن میں شریعت
اور ہدایت کا تمثل ہوتا ہے۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احکام شریعت کے
لئے مادہ ہوتے ہیں۔ لیکن بجنسہ وہ نہیں ہوتے۔ وہ صورت علمیہ کے ساتھ زیادہ مشابہت
رکھتی ہے۔ کیونکہ جب تو انسان کا تصور کرے گا تو تیرے ذہن میں انسان کی صورت
آئے گی۔ اور یہ صورت خود انسان نہیں ہے لیکن یہ اس کا مظہر اور منصۂ شہود ہوگی۔ اور
اسی سے لی ہوئی ہوگی۔ پس اگر تم صورت کو اس خیال سے دیکھو گے کہ یہ عرضی شئے
ذہن کے ساتھ قائم ہے تو وہ انسان کی حقیقت سے بالکل دور ہو جائے گی۔

اور اگر تم صورت کو دیکھ کر اس سے اس کے ماوراء انسان کی حقیقت تک پہنچ جاؤ گے تو اس وقت تمہاری توجہ صرف حقیقتِ انسانی کی طرف ہو گی۔ اور صورت آئینے کے مانند ہو جائے گی۔ جس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح شریعت بھی ایک طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں داخل ہے تو دوسرے لحاظ سے اس سے خارج ہے۔ اور اس سے متعلق ہے۔ ہم اس پر تنزلی کا حکم نہیں لگاتے، یہ تنزل ہے ایک لحاظ سے اس حقیقت کا جو نبی الانبیاء سے موسوم ہے۔ نہیں اس میں تدبر کرنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ نفسِ کلیہ کے جسد میں یہ نظم ملحوظ رہتا ہے۔ جس طرح کہ افراد میں نوع کی تدبیر ملحوظ رہتی ہے۔ چنانچہ حوادث کے سلسلے میں جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حالات جن کا تعلق آپؐ کی عادات، شمائل اور اسفار سے ہے، یہ سب اس میں آجاتے ہیں کہ آپؐ احسن تقویم والے مبارک اور حظیرۃ القدس کی طرف سے مؤید تھے۔ اس لیے ان چیزوں میں اپنے بنی نوع سے ممتاز تھے۔ اس رسالے میں جن علوم کے لانے کا ہم نے ارادہ کیا تھا یہ اس کا خاتمہ ہے۔

والحمد للہ رب العالمین وحسبی اللہ ونعم الوکیل وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۞

غلدس

شاہ ولی اللہ اکیڈمی

اغراض و مقاصد

۱ - شاہ ولی اللہ کی تصنیفات اُن کی اصلی زبانوں میں اور اُن کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کرنا -

۲ - شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور ان کے فلسفہ و حکمت کے مختلف پہلوؤں پر عام فہم کتابیں لکھوانا اور اُن کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرنا -

۳ - اسلامی علوم اور بالخصوص وہ اسلامی علوم جن کا شاہ ولی اللہ اور اُن کے مکتب فکر سے تعلق ہے ' اُن پر جو کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں ' اُنھیں جمع کرنا ' تاکہ شاہ صاحب اور اُن کی فکری و اجتماعی تحریک پر کام کرنے کے لئے اکیڈمی ایک علمی مرکز بن سکے -

۴ - تحریک ولی اللہی سے منسلک مشہور اصحاب علم کی تصنیفات شائع کرنا ' اور اُن پر دوسرے اہل قلم سے کتابیں لکھوانا اور اُن کی اشاعت کا انتظام کرنا -

۵ - شاہ ولی اللہ اور اُن کے مکتب فکر کی تصنیفات پر تحقیقی کام کرنے کے لئے علمی مرکز قائم کرنا -

۶ - حکمت ولی اللہی اور اُس کے اصول و مقاصد کی نشرواشاعت کے لئے مختلف زبانوں میں رسائل کا اجرا -

۷ - شاہ ولی اللہ کے فلسفہ و حکمت کی نشرواشاعت اور اُن کے سامنے جو مقاصد تھے ' اُنھیں فروغ دینے کی غرض سے ایسے موضوعات پر جن سے شاہ ولی اللہ کا خصوصی تعلق ہے ' دوسرے مصنفوں کی کتابیں شائع کرنا -